معارف

جولائی ۲۰۲۱ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۳۵۰؍روپئے۔ فی شمارہ ۳۰؍روپئے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۵۵۴؍روپئے

دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۷۳۰؍روپئے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۸۵۰؍روپئے

ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۵۰۰؍روپئے میں دستیاب۔

ہندوستان میں لائف ممبر شپ ۱۰۰۰۰؍روپئے ہے۔

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

HAFIZ SAJJAD ELAHI

196 - AHMAD BLOCK, NEW GARDEN TOWN

LAHORE (PUNJAB) PAKISTAN

Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org

Website: www.shibliacademy.org

Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh

Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100

✆ (Ma'arif Section) 06386324437

ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی (جوائنٹ سکریٹری؍منیجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی ودینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۲۰۸ | ماہ ذی قعدہ ۱۴۴۲ھ مطابق ماہ جولائی ۲۰۲۱ء | عدد ۱

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

فہرست مضامین

شذرات ۲
محمد عمیر الصدیق ندوی

مقالات
حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی...... ۵
مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی
وفد خلافت سے متعلق علامہ سید سلیمان ندوی کی ایک نادر تحریر ۲۴
جناب طلحہ نعمت ندوی
سید اشرف جہانگیر سمنانی، عصری جامعات میں علمی تحقیق ۴۲
ڈاکٹر محمد احمد نعیمی
اجمیر کا سلور جوبلی تہنیتی مشاعرہ ۵۴
ڈاکٹر معین الدین شاہین
اردو ادب میں علاقائی تہذیب کشمیر کے حوالہ سے ۶۹
جناب ریاض احمد

اخبار علمیہ ۷۳
ک ص، اصلاحی

معارف کی ڈاک
مکتوب کاندھلہ — مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی ۷۶
مکتوب دسنہ — جناب رحمت عالم دسنوی ۷۶

ادبیات
قطعہ تاریخ وفات — ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی ۷۷
قطعہ تاریخ وفات — ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی ۷۷

مطبوعات جدیدہ ۷۸
ع۔ص

رسید کتب موصولہ ۸۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

اسی جولائی کے مہینے سے معارف کی دوسو آٹھویں جلد شروع ہوتی ہے، ایسے میں معارف کے ان شذرات سلیمانی کی یاد تازہ ہوجاتی ہے جب سید صاحب کبھی کبھی معارف کی نئی جلد کے آغاز پر بڑے پرلطف انداز میں فرماتے تھے کہ ہندوستان میں جہاں ہر نئے سال پر نئے رسالے پیدا ہوتے ہیں اور ختم سال پر مرجاتے ہیں، ایسی علمی آب وہوا میں معارف جیسے خشک اور بے مزہ رسالہ کی زندگی بجائے خود داد طلب ہے، یہ کلمات تشکر ان کے قلم سے اس وقت ادا ہوتے جب معارف اپنے وجود کے ابتدائی برسوں کو عبور کرنے کی منزل میں ہوتا۔ آج ایک صدی سے زیادہ کی عمر میں جب معارف کی نئی جلد شروع ہوتی ہے تو حق یہ ہے کہ زبان قلم بارگاہ ایزدی میں حمد وشکر کی سبحہ شماری اپنا فرض سمجھتی ہے۔ فللہ الحمد والمنۃ۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کون شمار کرسکتا ہے، لیکن انسانوں کے اعمال بد کے نتیجے میں جزاوسزا کی کیفیتیں میزانِ عدل میں کبھی کبھی ایک دوسرے پر بھاری پڑتی نظر آتی ہیں، خصوصاً دور حاضر میں انسانوں کی زندگی کا ہر شعبہ بجائے خود جس طرح زوال آمادہ ہے اس کو دیکھ کر یہی حرف گلہ زبان پر آتا ہے کہ

ع مہرِ گردوں ہے چراغِ رہ گزرِ بادیاں

کورونا کی قیامت کیا کم تھی کہ ملک کی موجودہ حکومت نے عوام خصوصاً اقلیتی طبقہ کے لیے ساری بلاؤں کو تمام کرنے کا جس طرح تہیہ کرلیا ہے، اس کے بعد تو شاید بس کسی بلائے ناگہانی ہی کا انتظار ہے، گذشتہ مہینے میں اخبارات اور جدید ذرائع ابلاغ پر ایک قدیم ڈرامہ نئے پس منظر میں پیش کیا گیا کہ ملک میں چند مسلمانوں نے اکثریتی طبقہ کو اسلام کی دعوت پیش کرکے گویا ملک دشمن بلکہ انسانیت دشمن جرم کا ارتکاب کیا ہے، معاملہ سامنے آیا تو معلوم ہوا کہ دہلی میں ایک ادارہ برسوں سے اسلام کی حقیقت اور انسانوں کے لیے اس کی ضرورت اور ایک بہتر اور مثالی زندگی بسر کرنے کے لیے اسلام کے پیغام کو عام کرنے میں سرگرم عمل ہے، اس سے تعلق رکھنے والے عمر گوتم اور مفتی جہانگیر قاسمی کو خصوصی پولس فورس اے ٹی ایس نے گرفتار کرکے ایسا تاثر دیا کہ یہ لوگ اور ان کا ادارہ، معصوم، غریب اور بھولے بھالے

غیر مسلم لوگوں کو دولت، روزگار، شادی وغیرہ جیسے اسباب ترغیب سے اسلام کے دائرہ میں لاتے تھے، اوراس کے لیے ان کو ملک و بیرون ملک سے مالی تعاون بھی حاصل تھا، یہی نہیں چارج شیٹ میں ان مبلغوں کا رشتہ دہشت گردوں سے بھی ڈھونڈ لیا گیا، بم اور بارود کی جگہ اسلامی کتابوں کی برآمدگی بھی ایک بڑا کارنامہ بتایا گیا، اس قسم کے الزامات اقلیت ہی کیا اکثریتی مذہب کے ان افراد کے لیے روا رکھے گئے جن کا اصل جرم جمہوری ملک میں حکمراں جماعت کے نظریات واعمال سے اختلاف رائے رکھنا ہے، ایسے میں مولانا عمر گوتم اوران کے ساتھیوں پر ہرستم موجودہ نظام وطرز حکومت کے لیے بدرجۂ اولیٰ روا ہے، لیکن یہ جبر وزور اصلاً ملک کے اس دستور اور قانون کے لیے ایک بڑے المیہ کی علامت ہے جس نے ملک کے باشندوں کو آزادی ضمیر اور خود کی پسند کی زندگی جینے کا بنیادی انسانی حق دیا ہے۔

ہم کو قانونی دفعات کا زیادہ علم نہیں لیکن ماہرین قانون صاف بتاتے ہیں کہ آئین ہند کے آرٹیکل ۲۵ کے تحت ہر ہندوستانی شہری کو اپنے مذہب کی دعوت وتبلیغ کی اجازت ہے، جن لوگوں نے اسلامک دعوہ سنٹر کی ان دونوں گرفتار بلا شخصیتوں کو دیکھا اور سنا ہے ان کے لیے یہ ناقابل تصور ہے کہ ان کے ذریعہ، ترغیب وترہیب کے وہ طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں جو کسی بھی مہذب، باشعور، تعلیم یافتہ اور روادار معاشرہ میں قابل نفریں ہیں، یہ سنٹر یا اس جیسے دوسرے ادارے عرصے سے قائم ہیں، خود عمر گوتم کو مولانا ہونے میں ایک زمانہ گزرا، وہ مستورالحال بھی کبھی نہیں رہے، ان کو ظلمات سے نور اور گمرہی سے راہ یابی کی توفیق ملی، وہ بادۂ اسلام کی جس لذت سے آشنا ہوئے طبعاً دوسروں کو بھی یہ جامِ ہدایت ونور پیش کرنے کی فکر ہوئی، جس شے کو انہوں نے اپنے لیے پسند کیا اسے دوسروں کے لیے بھی پسند کرنے کا ان کو فطری اور قدرتی حق ہے اور اس کے لیے انہوں نے سماجی اور قانونی قدروں سے انحراف بھی نہیں کیا، وہ ہمیشہ اپنے عمل سے یہی سمجھاتے رہے کہ اہل سیاست کا جو کاروبار ہے اس سے دور رہ کر وہ صرف پیغام انسانیت کو عام کرتے رہیں، اب یہ تقدیر کے ہاتھوں میں ہے کہ یہ پیغام کہاں تک پہنچتا ہے، انہوں نے کبھی پوشیدہ اور خفیہ راہوں کو نہیں اپنایا، ایک جمہوری ملک میں ضابطہ اخلاق و قانون کے مطابق انہوں نے دوسروں کے دست تعاون سے گریز نہیں کیا، ایک ادارہ قائم کیا جو قانون کے عین مطابق ہے اور اس وقت سے ہے جب ملک پر وہ جماعت حکمراں تھی، جس سے تلون مزاج، سریع الانفعال، مغلوب جذبات اور کشتہ سیاست ہماری قوم زیادہ تر شکوہ سنج رہی، اس ملک میں مذہبی

اقدار و فرائض کی انجام دہی کے لیے سماجی ماحولیات کی آلودگی کو دیکھنا اور اس کے مضر اثرات سے محفوظ رہنا اور رکھنا، سیاسی شعور کی بالیدگی کی علامت ہے، افسوس ہے اور ضروری نہیں کہ یہ سب کے لیے لائق افسوس ہو کہ من حیث القوم، ملک کے افق پر ان بادلوں سے چشم پوشی کی گئی جو اپنے ہمراہ ایک خوفناک اور تباہ کن طوفان کو لے کر چل رہے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اب ہم اس مقام پر ہیں جہاں سے انتظامیہ، عدلیہ، میڈیا سب کچھ اتنی دور ہیں کہ ان تک ہماری نگاہ پہنچنے سے قاصر ہے اور آواز بھی۔ بے بال و پری کا اثر ایسا ہے کہ بظاہر بعض بے باک لکھنے والے بھی پرواز کو محدود رکھنے کا مشورہ اس دلیل سے دینے لگے کہ ''اس وقت غیروں سے زیادہ خود مسلمانوں کو مسلمان بنانے پر توجہ مرکوز کرنا چاہیے'' معاملہ صرف اتنا ہی ہوتا تو شاید اس کو بے ضرر ہی سمجھا جاتا، لیکن اصل بات تو وہی ہے جسے خوف، مصلحت یا ایسا کوئی لفظ اپنے سایہ میں لے لیتا ہے اور پھر یہ کہنے میں لکنت سی پیدا ہو جاتی ہے کہ اسلام تو ہر دور میں ایسوں کے لیے وجہ کشش رہا جو زندگی کے دیگر فلسفوں کے مطالعہ سے مطمئن نہیں ہو سکے۔ ان تشنہ کاموں کو اگر حق کی تلاش میں وہ مقام میسر آیا، جو ان کی منزل مقصود تھی تو اس حقیقت کو صرف سیاست کی سیاہی سے چھپانے کی کوشش کو بوالعجبی ہی سے تعبیر کیا جائے گا۔

معارف کی سو سالہ زندگی میں کئی مقامات ایسے آئے جہاں معارف نے شذرات کے ذریعہ صراحتاً اصل مرض کی تشخیص کی، اس نے غاصب اور غیر ملکی حکومت کے دور جبر و اشتداد میں کہا کہ یہ تاریخی حقیقت بے نقاب ہونی چاہیے کہ ہندوستان میں بہادر نو مسلم راجپوت اورنگ زیب عالم گیر کی خونی تلوار کے زخم خوردہ نہیں بلکہ اکبر، جہاں گیر اور شاہ جہاں کے لطف و کرم اور اسلام کی سادگی، مساوات اور اخوت عامہ کی تلوار کے گھائل ہیں، اورنگ زیب کی تلوار کو ٹوٹے ہوئے صدیاں گزر چکیں مگر اب بھی وہ کون سی تلوار ہے جو آج بھی ہندوستان کی غیر مسلم آبادی کو زخمی اور مجروح کر رہی ہے، کاش یہ بات ہمارے موجودہ حکمرانوں کے کانوں کے پردوں کو چھو جائے کہ نشہ قوت و حکومت سے متوالی اور سرمست قوموں کا بھی ایک روز یہ نشہ اتر کر رہے گا، یہ نشہ خود بخود نہیں اترتا اس کے لیے محکوم و مجبور کو اپنی بصیرت و فراست کا سہارا لینا ہوگا، ایک جمہوری ملک میں افرادی کمی اور تعلیمی و اقتصادی بدحالی کی حالت میں زیادہ مضر اور کم مضر کے فرق کو پہچاننے ہی میں عافیت ہے اور یہ ذمہ داری ان کی زیادہ ہے جو سیاسی کاروباریوں کی آمدنی بڑھانے کا ذریعہ بنتے ہیں اور خود محرومی کا مرثیہ پڑھتے رہتے ہیں۔

مقالات

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

کی تفسیری، حدیثی اور دیگر خدماتِ علمی پر ایک نظر

مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی ☆

(۲)

حدیث شریف کے متعلقات پر چند اور تصانیف

فیما یجب حفظه للناظر: شاہ صاحب نے حدیث شریف کے مختلف موضوعات پر حسب ضرورت توجہ فرمائی تھی، ان میں جو چیزیں معروف اور مطبوعہ ہیں ان میں سب سے مختصر بلکہ مختصر ترین تالیف: فیما یجب حفظه للناظر ہے۔

اس میں حدیث شریف کی معروف کتابوں کا اصولی وفنی لحاظ سے درجہ متعین کیا گیا ہے کہ یہ کتب حدیث کس مقام ومرتبہ کی ہیں اور ان میں کس پر کس طرح کا کم یا زیادہ اعتماد کیا جانا چاہیے، شاہ صاحب نے کل پانچ عنوانات کے تحت معروف کتب حدیث کی تقسیم فرمائی ہے، یہ صرف ڈیڑھ صفحات پر ہے لیکن صحیح معنوں میں دریا بکوزہ کا نمونہ ہے، یہ کئی مرتبہ چھپا ہے، اردو ترجمے بھی چھپے ہیں اور بہت سے مدارس میں حدیث شریف کے طلبہ کو اس سے پڑھانے اور حفظ کرانے کا معمول ہے۔

عجالہ نافعہ: شاہ صاحب کی ایک مختصر لیکن حدیث شریف کے اساتذہ اور طالب علموں دونوں کے لیے بےنظیر یادگار ہے جس میں اصول حدیث، انساب وکنیٰ اور مشتبہ النسبۃ ناموں کی تحقیق اور مختلف رواۃ کے ناموں کے تلفظ اور املا کے درمیان جو بہت باریک اور اہم فرق ہے، اس کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔

یہ رسالہ شاہ صاحب نے اپنے شاگرد سید قمرالدین حسینی سونی پتی کے لیے تالیف فرمایا تھا، شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ جو شخص بھی اس رسالہ کے مضامین کو اپنا رہنما بنائے گا، اور اس کے بعد

☆ E-mail: nhrashidkaandhalavi@yahoo.com

فنون حدیث میں (مطالعہ اور غور) فکر کرے گا، غلطی اور لغزش سے محفوظ اور تصحیف و تحریف سے پاک رہے گا اور احادیث شریفہ کی تصحیح و تضعیف کے لیے اس کے ہاتھ میں ایک اچھا معیاری پیمانہ موجود ہوگا۔ لکھا ہے:

"امیدوارے از حضرت باری تعالیٰ شانہ وعز برہانہ آنست کہ اگر مضامین ایں رسالہ را کسے نصب العین خود سازد و در فنون حدیث خوض نماید از غلط و خطا مامون واز تصحیف و تحریف مصوّن باشد و در تصحیح و تضعیف احادیث معیارے درست بدست داشتہ باشد۔" (۳۴)

اس میں شاہ صاحب نے حدیث شریف کی مرکزی اہمیت اور اس کے راویوں کے صادق و کاذب (سچے اور جھوٹے ہونے سے اس کی حیثیت قائم یا متأثر ہونے) کا تذکرہ فرمایا ہے اور تحریر کیا ہے کہ قابل اعتبار اور غیر معتبر دونوں قسموں کی کتابوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنا چاہیے، چونکہ متأخر علما میں اس ترتیب کا بہت اہتمام نہیں رہا، اس لیے بعض لوگوں نے اپنے بعض رسائل میں جمہور سلف سے اختلاف کیا ہے اور ان احادیث سے جو غیر معتبر کتابوں میں پائی جاتی ہیں دلیلیں تلاش کی ہیں:

"حالا کتبے کہ مجرد برائے صحاح اند بعد ازاں کتابہا ئیکہ واجب الردو الترک اند علاحدہ باید داشت تا در ورطۂ تخلیط واقع نشوند و اکثر متأخرین محدثین را ایں تمیز و ترتیب از دست رفتہ است ناچار در بعضے رسائل خلاف جمہور سلف کردہ اند و با حادیثے کہ در کتب غیر معتبرہ یافتہ اند تمسک جستہ اند۔" (۳۵)

اس کے بعد شاہ صاحب نے حضرت شاہ ولی اللہ کی تقسیم کا ذکر کر کے اس کو چار حصوں میں تقسیم فرما کر بعض اسما والفاظ کے ضبط (تلفظ و اعراب) کی وضاحت کی ہے، مثلاً فرماتے ہیں کہ کتب حدیث شریف میں جہاں بھی لفظ سَلاّم آیا ہے، اس کو لام کی تشدید کے ساتھ پڑھنا چاہیے مگر پانچ موقعے ایسے ہیں جہاں تشدید نہیں، اس کے ساتھ ہی اس کی وضاحت کی ہے کہ وہ کون کون سے مقامات ہیں اور مثلاً لفظ غَنام جہاں آیا ہے وہ غین کے فتحہ اور نون غنہ کے ساتھ ہے مگر ایک موقعہ پر غنام بن علی کوفی آیا ہے۔

اس کے بعد ایک مرتبہ اور کتب حدیث کے درجات اور مقام کی کسی قدر مفصل بحث کی ہے،

فصل دوم میں حدیث شریف کی اپنی اسانید درج فرمائی ہیں، پھر خاتمہ کے عنوان کے تحت موضوع احادیث اور کذب راوی کی پہچان کے لیے چند باتوں کی صراحت کی گئی ہے۔

عجالہ نافعہ بھی ما یجب حفظہ للناظر کی طرح گاگر میں ساگر کی بہترین مثال ہے جس سے حدیث کا کوئی باذوق طالب علم مستغنی نہیں ہوسکتا۔

رسالہ عجالہ نافعہ فارسی میں ہے،(۳۶) یہ پہلی مرتبہ مطبع مصطفائی کانپور سے ۱۲۵۵ھ (۴۰-۱۸۳۹ء) میں شائع ہوا تھا، ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے، یہ نسخہ صحت متن کے علاوہ حسن کتابت وطباعت میں بھی بے نظیر ہے۔ اس کے بھی اردو میں کئی ترجمے ہوئے ہیں، ایک دو ترجمے عربی میں بھی ہیں جو مجھے دستیاب نہیں ہوئے۔

بستان المحدثین: سلسلہ حدیث کی ان کی جن تصانیف کو سب سے زیادہ شہرت نصیب ہوئی اور ان سے خوب استفادہ کیا گیا، ان میں بستان المحدثین سب سے ممتاز ہے۔

یہ احوال محدثین اور ان کے بعض متعلقات پر بے مثال و بے نظیر تالیف ہے، اس جیسی غالباً کوئی دوسری کتاب موجود نہیں، بستان کا فارسی نسخہ بار بار چھپا ہے۔

وجہ تالیف: شاہ صاحب نے متوسط لیاقت و تعلیم کے ایسے لوگوں کے لیے جو علم و مطالعہ کا ذوق رکھتے تھے اور اثنائے مطالعہ محدثین اور ان کی کتابوں کے بارے میں ضروری معلومات چاہتے تھے، یہ کتاب ان کے لیے خاص طور پر لکھی گئی، حدیث شریف کی اعلیٰ و اوسط کتابوں کا ایسا تعارف جو خشک اور طویل نہ ہو۔ بستان المحدثین میں اسی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ تمہید میں فرماتے ہیں:

> "ایں رسالہ ایں است مسمّٰی بہ بستان المحدثین کہ مقصود اصلی درآں ذکر کتب حدیث است کہ غالباً در رسائل و مصنفات از آنہا نقل می آرند و بجہت عدم اطلاع بر آں کتب سامع متحیر می ماند و بالتبع بہ رخے از احوال مصنّفین آنہا نیز مذکور می شود کہ درحقیقت قدر تصنیف از قدر مصنفش پیدا است و گویا نسب کتاب است۔"(۳۷)

اس میں شاہ صاحب نے خوب فرمایا ہے کہ مصنف کتاب کا نسب نامہ ہے جب تک صحیح نسب نامہ معلوم نہ ہو اعتبار مشکل ہے، مصنف جس قدر عالی مرتبہ ہوگا اس کی کتاب میں ویسا ہی اثر ہوگا۔

معنویت و جاذبیت: بستان المحدثین میں کتابوں کے تعارف میں اختصار یا اطناب کا اہتمام

نہیں کیا گیا بلکہ ''أنزلوا الناس منازلھم'' کے مصداق کتاب اور مصنف جس حیثیت ومقام پر ہیں تعارف بھی اسی درجہ کا ہے اور جن کتابوں کی شرحیں، حاشیے اور متعلقات زیادہ یا کم ہیں اور جو ان کا امتیاز ہے اس کا مفصل یا مختصر تذکرہ کیا ہے۔

بستان المحدثین میں عام قارئین کی دلچسپی کا شاہ صاحب نے خیال رکھا ہے۔تحریر رواں، پرکشش ہے، جگہ جگہ دلچسپ واقعات، عجیب وغریب قصے اور عمدہ اشعار عجب بہار کا منظر پیش کرتے ہیں۔

بستان خودنوشت تالیف ہے یا املا؟ بستان کے تعارف میں بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہ اس دور کی یادگار ہے جب شاہ صاحب نابینا ہو گئے تھے، اس لیے بستان تصنیف نہیں، املا ہے۔

یہاں پہلی وضاحت تو یہ ضروری ہے کہ یہ جو بعض مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے خاصا زور دے کر لکھا ہے کہ شاہ صاحب نوعمری میں مختلف امراض کے شکار اور نابینا ہو گئے تھے، یہ بات شواہدو قرائن بلکہ خود شاہ صاحب کی تحریروں کی روشنی میں صحیح نہیں ہے، شاہ صاحب کے خودنوشت حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب ساٹھ سال کی عمر تک تندرست، صحت منداور فعال تھے، پینسٹھ سے ستّر سال کی عمر کے درمیان مختلف بیماریوں میں مبتلا ہوئے جس میں بینائی کی کمزوری اور خرابی بھی شامل تھی جو بالآخر مکمل نابینا ہونے تک پہنچی جو ناقابل علاج ٹھہری۔

اس کے علاوہ کتاب میں ایسے کئی فقرے اور کلمات بار بار ملتے ہیں جو خود دیکھنے والا ہی لکھ سکتا ہے، مثلاً وہ جگہ جگہ لکھتے ہیں: ''راقم الحروف می گوید، کاتب حروف می گوید'' یہ فقرہ پوری کتاب میں بار بار دہرایا گیا ہے، میرے خیال میں اگر بینائی سے محرومی کے دور میں بستان املا کرائی ہوتی تو اس میں اس طرح کے جملے نہیں ہوتے۔

راقم حروف کی تکرار بتاتی ہے کہ بستان شاہ صاحب کی بینائی کے دور کی تالیف ہے، عدم بصارت کے وقت کا املا نہیں۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ پوری کتاب میں ایسا کوئی لفظ یا تعبیر نہیں آئی جس میں مصنف کے بصارت سے محروم ہونے یا کسی اور بڑی بیماری کی بات یا اس کا اشارہ ہو۔

زمانۂ تالیف: بستان المحدثین کی تالیف کا سنہ مذکور نہیں، یہی کیا ان کی اور تصانیف، مؤلفات ورسائل، مکتوبات وتحریرات میں بھی میری معلومات کے مطابق اس کی صراحت نہیں۔اطہر عباس رضوی

صاحب نے بستان المحدثین کو ۱۲۰۱ھ کی تالیف بتایا ہے:

The Bustan al Muhaddithin

Completed by Shah Abdul azizin 1201/1786-87 (۳۸)

مگر اس کے لیے کوئی حوالہ نہیں دیا۔

ماٰخذ و مراجع: بستان المحدثین میں اس کا پورا خیال رکھا گیا ہے کہ اس کے مندرجات و اطلاعات نہایت ثقہ ہوں، اسی لیے شاہ صاحب کے بنیادی مراجع، طبقات و سیر محدثین کی معتبر ترین کتابیں ہیں۔ اگر چہ شاہ صاحب اپنے دور کے رواج کی طرح اپنے تمام مراجع کی صراحت نہیں فرماتے لیکن مراجع اور شاہ صاحب کے بیانوں کا موازنہ کیا جائے گا تو ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی نظر تمام بنیادی کتابوں پر تھی۔

ان کے مراجع کی تفصیل طویل ہے، بستان سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے مطالعہ میں امام ذہبی (شمس الدین محمد بن قائم، وفات ۷۴۸ھ/ ۱۳۴۸ء) کی تصانیف خصوصاً تذکرۃ الحفاظ اور سیر اعلام النبلا سامنے ہیں، ان کے علاوہ کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ شاہ صاحب کے سامنے ہے جس کا جوہر بستان المحدثین میں شامل فرما لیتے ہیں۔

ایسی چند کتابوں کے نام جن سے شاہ صاحب نے متن کتاب میں استفادہ کیا ہے، یہ ہیں:

۱۔حلیۃ الأولیاء، امام ابونعیم اصفہانی　۲۔دلائل النبوۃ، امام بیہقی　۳۔طبقات الحنفیۃ، علامہ کفوی　۴۔تجرید اسماء الصحابۃ (رضی اللہ عنہم)، امام ذہبی　۵۔الاصابۃ، حافظ ابن حجر عسقلانی　۶۔جامع الأصول، علامہ ابن اثیر　۷۔یتیمۃ الدھر، ابومنصور ثعالبی　۸۔نفح الطیب، شیخ شہاب الدین مقری　۹۔الدیباج المذھب فی علما المذھب، علامہ ابن فرحون　۱۰۔شرح مختصر خلیل، شیخ محمد بن ابراہیم بن خلیل　۱۱۔شرح نخبۃ الفکر، حافظ ابن حجر عسقلانی　۱۲۔تاریخ ابن خلکان، ابن خلکان　۱۳۔تاریخ بغداد، علامہ خطیب بغدادی　۱۴۔تاریخ ذھبی، سیر اعلام النبلاء/ تاریخ کبیر　۱۵۔القاموس المحیط، علامہ مجدالدین فیروز آبادی۔

ان کتابوں کا صراحتاً ذکر ہے لیکن ایسے کم سے کم پچاس ضمنی مراجع ہیں جو شاہ صاحب کے پیش نظر تھے، جس کو دیکھ کر یہ خیال مزید گہرا اور یقینی ہو جاتا ہے کہ ان تمام کتابوں کی تمام عبارتیں،

شاہ صاحب کی نظر کے سامنے رہیں۔

شاہ صاحب کی وسعت نظر اور قوت اخذ واستدلال کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب نے ،بستان میں تقریباً تین سو موقعوں پر تذکرۃ الحفاظ (امام ذہبی) سے استفادہ کیا ہے جس کی تصدیق ان الفاظ سے ہوتی ہے جو شاہ صاحب نے استعمال کیے ہیں، اسی طرح تقریباً ستّر پچھتّر مقامات پر سیر أعلام النبلاء پیش نظر رہی ہے، امام ذہبی کی ایک تصنیف، تاریخ الاسلام بھی شاہ صاحب کے سامنے ہے۔ایک موقعہ پر لکھتے ہیں:

"وقصۂ ابن تیمیہ را، ذہبی کہ مفسرترین مؤرخان اسلام است، درتاریخ خود آوردہ۔"(۳۹)

کفوی کی طبقات الحنفیۃ بھی شاہ صاحب کے سامنے ہے ۔لکھا ہے: وکفوی درطبقات الحنفی نوشتہ است:

"کہ کتاب احکام القرآن اوزیادہ بربست جزاست۔"(۴۰)

شاہ صاحب نے امام جزری (صاحب حصن حصین) کی اسانید ومسلسلات پر تالیف: عقود اللآلی فی الأحادیث المسلسلۃ والعوالی کے دیکھنے کا بھی تذکرہ کیا ہے۔فرماتے ہیں:

"اما از تصانیف نادرہ ایں بزرگ کتابے دیگر دیدہ شد: عقود اللآلی فی الاحادیث المسلسلۃ والعوالی۔"(۴۱)

وہ کتابیں جو شاہ صاحب کو نہیں ملیں: کچھ کتابیں ان کے علم میں تھیں لیکن دستیاب نہیں تھیں، وہ لکھتے ہیں:

"وازیں دونسخہ واحادیث آنہا راقم الحروف رااطلاع حاصل نشد۔"(۴۲)

"وبعضے از محدثان اصفہان آں را بہ ترتیب ابواب مرتب کردہ اند، امانسخہ دیدہ نشدہ۔"(۴۳)

"احادیث صحیحین را بر مسانید صحابہ ترتیب دادہ ومرتبہ ثالثہ کہ مرتبہ کمترین است مسند انس بن مالک است تاآں جا بنظر راقم الحروف نرسید۔"(۴۴)

"کتاب رفع الیدین للبخاری و کتاب الجمعۃ للنسائی دراحوال ایں ہردو کتاب تفصیلاً اطلاع نیست۔" (۴۵)

مؤطا امام مالک کا تعارف اس کی روایات اور نسخوں کا بے مثال تذکرہ: بستان المحدثین کا آغاز مؤطا امام مالک کے تعارف اور اس کی روایات اور نسخوں کے مفصل تذکروں سے ہوا ہے، اس کا محرک غالباً حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا یہ خاص نظریہ ہے کہ مؤطا مالک حدیث کی تمام مصنفات و کتب کی اساس ہے، بستان المحدثین اسی رائے کی تائید کرتی نظر آتی ہے۔

مؤطا امام مالک کا ذکر بستان المحدثین میں: اس میں شاہ صاحب نے مؤطا کے سولہ نسخوں یا روایات کا تعارف کرایا ہے، جو ایک بڑا کارنامہ اور غیر معمولی بات ہے۔ائمہ متقدمین میں مؤطا کے بڑے شارحین خصوصاً امام ابن عبدالبر کے علاوہ بہت کم کسی شارح و محقق نے مؤطا کے اس قدر نسخوں، ان کے جامعین اور ان کے درمیان فرق واختلاف کا اس اہتمام اور باریک بینی سے تذکرہ و تجزیہ کیا ہے۔

یہ بحث کتاب کے پہلے انتیس صفحات پر ہے۔ یہاں یہ پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ مؤطا مالک کے بعد مسانید وصحاح وسنن وغیرہ کی جملہ تصانیف پر مسانید امام اعظمؒ (ابوحنیفہ) کو مقدم کیا ہے اور ترجیح دی ہے جس سے اس سلسلہ میں شاہ صاحب کے نظریہ اور رائے کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسانید امام اعظم کی استنادی علمی حیثیت اتنی کمزور نہیں ہے جیسی عموماً بیان کی جاتی ہے، اس کے بعد مسانید امام شافعی، مسند امام احمد بن حنبل اور دیگر سلسلۂ مسانید کی بات آتی ہے جس میں مسند ابوداؤد طیالسی، مسند عبد بن حمید، مسانید حارث بن ابی اسامہ، مسند بزار اور مسند ابویعلی کا تعارف و تذکرہ ہے۔ مسانید کے بعد صحاح کا سلسلہ شروع ہوا ہے جس کی ابتدا صحیح ابوعوانہ، صحیح اسماعیلی، صحیح ابن حبان سے ہوتی ہے، اسی فہرست میں مستدرک حاکم کو بھی شامل کیا گیا ہے، اس کے بعد مستخرج ابونعیم اصفہانی اور مسند دارمی کا تعارف ہے۔

لیکن اگر پوری کتاب پر نظر ڈالیے، تو یہ بات بالکل صاف محسوس ہوتی ہے کہ شاہ صاحب نے اس تالیف میں حدیث شریف کی کتابوں کی جو معروف علمی تقسیم کی ہے اور ان کا جو علمی مرتبہ اور فنی ترتیب ہے، اس کا ہر موقع پر خیال نہیں کیا۔ جو بھی معروف اور ضروری بنیادی کتب حدیث ہیں شاہ صاحب نے ان سب کے تعارف کا اہتمام تو فرمایا ہے لیکن ان کی موضوعاتی ترتیب اور ان کے مقام و مرتبہ کی کامل درجہ بندی یا ایک طرح کی تصانیف وکتب کا ان کی معلوم وقدیم ترتیب کے مطابق تذکرہ اور اندراج نہیں فرمایا بلکہ اس میں اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریہ اور اپنی رائے اور

عام پڑھنے والوں کی ضرورتوں کا خیال فرمایا ہے۔

یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے، حدیث شریف کی اکثر کتابوں کے متون بذات خود دیکھے تھے۔ یہ معلوم ہے کہ شاہ صاحب کا ذاتی کتب خانہ بہت بڑا اور غیر معمولی تھا جس میں وہ سب کتابیں بھی شامل ہوں گی جو حضرت شاہ ولی اللہ حجاز مقدس سے لائے تھے مگر پھر بھی ممکن نہیں کہ حدیث شریف کی تمام کتابیں اور جملہ مصنفات شاہ صاحب کے کتب خانہ میں جمع ہوگئی ہوں۔

ایسی بہت سی حدیث کی اعلیٰ کتابیں جو آج بھی پوری دنیا میں نہایت کمیاب اور گویا معدوم ہیں اور ان کے مشکل سے چند نسخے دستیاب اور معلوم ہیں، ان ہی کی مدد سے ان کی تصحیح و مقابلہ حیران کن ہے۔ سوال یہ ہے کہ شاہ صاحب نے یہ سب کتابیں کہاں دیکھیں، کہاں پڑھیں اور کس طرح وہ اس کی ایسی صحیح نقل کرتے ہیں کہ آج کے بڑے بڑے محققین بھی حیران ہیں۔ اس کی پہلی مثال مؤطا کے نسخوں کا تعارف ہے۔

مؤطا مالک کے یہ تمام نسخے شاہ صاحب نے کہاں دیکھے؟ کس طرح ان تک رسائی ہوئی؟ جب کہ ان میں سے بعض کے نسخے تو ایسے نادر و کمیاب ہیں کہ عصر حاضر میں تلاش و دریافت کے ذرائع شاہ صاحب کے عہد سے ہزاروں گنا بڑھ کر ہیں، لاکھوں مخطوطات کی فہرستیں نیٹ (Net) پر نظر کے سامنے ہیں لیکن شاہ صاحب ان سے براہ راست استفادہ کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں، اسی وجہ سے ان کتابوں کے اجمال و تفصیل، مندرجات و خصوصیات کا تعارف بھی خوب کرا دیتے ہیں۔

شاہ صاحب نے بستان میں مؤطا امام مالک کی سولہ روایتوں یا علاحدہ علاحدہ ترتیب پر مرتب نسخوں کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان میں سے بعض پر کہیں کہیں تبصرہ بھی فرمایا ہے۔ اگرچہ بعض علما اور محدثین نے مؤطا کی بیس روایات یا نسخوں کا اور بعض نے تیس کا تذکرہ کیا ہے مگر آج بھی ان نسخوں کا تعارف عموماً دریافت نہیں، شاہ صاحب نے جن نسخوں کا تذکرہ کیا ہے ان کے علاوہ بہت کم روایتیں ایسی ہیں جو بعد میں منکشف ہوئی ہوں یا ان کے نسخے دستیاب ہوں، صرف ایک روایت علی بن زیاد (۴۶) کی ہے جو بعد میں دریافت اور شائع ہوئی۔

معروف نسخوں اور روایات کے علاوہ شاہ صاحب نے ایسے نسخوں پر بھی توجہ فرمائی ہے جو متعارف نہیں بلکہ کمیاب اور ایسے ہیں کہ شاہ صاحب کے عہد کے مصنّفین اور بعد کے اہل علم و قلم کی بھی

ان تک رسائی نہیں، علما اور محققین ان نسخوں کا شاہ صاحب کے حوالہ سے ہی تذکرہ کرتے ہیں، ایسی روایات یا نسخوں میں سے ایک اہم روایت عبداللہ بن وہب کی ہے جس کو شاہ صاحب نے بڑی اہمیت دی ہے۔ شیخ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کی معروف اور شہرۂ آفاق روایت کے بعد سب سے پہلے عبداللہ بن وہب کی روایت یا نسخہ کا تذکرہ کیا ہے اور عبداللہ بن وہب کی روایت اس درجہ کمیاب و ناپید ہے کہ اس وقت تک اس کا مکمل متن دریافت نہیں ہوا، اس کا کچھ ناقص حصہ یا چند باب ایک جرمن فاضل میکلوش مورانی (Miklos Muranyi) کو ملے تھے جو دارالغرب الاسلامی بیروت سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئے۔

بستان کی ترتیب وتالیف پر چند اعتراضات وسوالات: بستان پر چند بڑے اہل علم و تذکرہ نگاروں نے بعض سوالات بھی اٹھائے ہیں، نواب صدیق حسن خاں کی رائے گذر چکی ہے کہ بستان کتابوں کی فہرست اور محدثین کے تراجم کا مجموعہ ہے اور مولانا عبدالحی حسنی (مؤلف نزہۃ الخواطر (الإعلام بما في الهند من الأعلام) نے اس کو ناتمام قرار دیا ہے، یہ دونوں روایتیں بستان المحدثین کے پڑھنے والوں میں عام ہیں۔ میرے خیال میں ان کی صحت پر غور کرلینا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

غائر مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو وہ صرف فہرست ہے اور نہ ہی ناقص! مختلف علوم وفنون کی اسلامی کتابوں کی جو فہرستیں موجود ہیں بستان بنیادی طور پر ان سب سے مختلف ہے، یہ اختلاف کئی طرح کا ہے، بستان صرف کتابوں یا ان کے مصنّفین کے نام شمار کرانے پر منحصر نہیں ہے بلکہ تمام ممتاز کتابوں کا اچھا تعارف بھی ہے، ان کے متعلقات، کتاب اور مصنف کے ضروری احوال کا تذکرہ بھی ہے، اگر بستان میں درج کتابوں کے تعارف میں کئی طرح کا فرق نظر آتا ہے تو بقول شاہ صاحب اس کے مخاطب بڑے اہل علم نہیں عام پڑھنے والے ہیں، شاہ صاحب نے ہر ایک کے خیال ومزاج کی رعایت کی یکساں تعارف نہ ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے۔

اگر یہ صرف فہرست ہوتی، کتاب ومصنف کے نام یا سنہ تالیف تک محدود رہتی، امتیازات و محاسن، شروحات ومتعلقات، قصائد واشعار وغیرہ نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حدیث شریف کی تمام بنیادی کتابوں کا اس میں تذکرہ نہیں۔ خود شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”ایں رسالہ ایست مسمی بہ بستان المحدثین کہ مقصود اصلی دراں ذکر کتب حدیث

است کہ غالباً در رسائل و مصنفات از آنہا نقل می آرند۔"(۴۷)

یہ خیال بھی کہ بستان المحدثین ناقص ہے صحیح نہیں، کیوں کہ اس وقت تک بستان کا جو قدیم اور معتبر نسخہ جس کی اصل نسخۂ مصنف کی نقل ہے، وہ بھی مصابیح کے تذکرہ پر ختم ہوگیا ہے۔مصابیح کے بعد حدیث شریف کی کوئی اور ایسی کتاب نہیں ہے جس کو بنیادی تصانیف و مؤلفات میں شامل کیا جاسکے، اگرچہ مشکوٰۃ سے زجاجۃ المصابیح مولانا عبداللہ حیدرآبادی (۴۸) تک بیسیوں کتابیں وجود میں آئیں لیکن ان کو امہات کتب تو کیا متوسطات کا درجہ بھی نہیں ملا۔

بستان المحدثین کی چند فروگذاشتیں: سہو وخطا لازمۂ بشریت ہے، شاہ صاحب کی یہ کتاب تو یوں بھی بہت سی بندشوں سے مستثنیٰ کہی جاسکتی ہے لیکن ایسی جامع کتاب میں سہو و فروگذاشت پڑھنے والوں کے لیے زحمت کا سبب ہوجاتی ہے، اس لیے اس کی ایسی چند چیزوں کا بھی سامنے رہنا مناسب ہے۔

مؤطا کی ایک روایت کی سوید بن سعید کی جانب نسبت؟ شاہ صاحب نے مؤطا کے نسخۂ سوید بن سعید کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے تفردات میں سے ایک روایت نقل کی ہے جس کی سند یہ ہے:

"مالك عن هشام بن عروة عن أبيه عن عبد الله بن عمرو بن العاص أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إنّ الله لا يقبض العلم انتزاعاً الخ"(۴۹)

مولانا ڈاکٹر اکرم ندوی نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ مؤلف کو اس حدیث کی سوید بن سعید کی طرف نسبت میں وہم ہوا ہے، امام دارقطنی نے لکھا ہے کہ یہ روایت صرف معن بن عیسیٰ کے نسخہ میں ہے لیکن مولانا اکرم ندوی صاحب نے دارقطنی کا جو حوالہ دیا ہے وہ بھی مبہم اور قابل تحقیق ہے۔ دارقطنی کی سنن میں نہ تذکرہ ہے اور نہ کتاب العلل میں ہی اس کی صراحت ہے، دارقطنی نے کتاب العلل میں معن بن عیسیٰ کی امام مالک سے روایات کا تذکرہ کیا ہے، سوید بن سعید (۵۰) کا تذکرہ ہی نہیں۔

علامہ عبدالغنی ازدی کے تذکرہ میں بڑی غلطی: شاہ صاحب نے امام دارقطنی کے ایک بڑے شاگرد علامہ عبدالغنی ازدی کا ضمناً تذکرہ کیا ہے(۵۱) ایک اور موقع پر الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب کے تعارف میں بھی عبدالغنی ازدی کا نام آیا ہے کہ امام ابن عبدالبر وفات ۴۶۳ھ (۷۱-۱۰۷۰ء) کو شیخ

عبدالغنی ازدی نے مصر سے اجازت حدیث لکھ کر بھیجی تھی، مگر بستان میں ان دونوں موقعوں پر ایک بڑا مغالطہ ہوگیا ہے، یہاں عبدالغنی ازدی صاحب المؤتلف والمختلف کو عبدالغنی منذری مؤلف ترغیب وترہیب لکھ دیا ہے، حالانکہ یہ دونوں الگ الگ شخصیات ہیں، دونوں میں تقریباً ڈھائی سو سال کا فاصلہ ہے۔ امام دارقطنی کے شاگرد اور حافظ ابن عبدالبر کو سند عطا فرمانے والے عبدالغنی بن سعید الحافظ (وفات: ۴۰۹ھ/ ۱۰۱۸-۱۹ء) ہیں جو المؤتلف والمختلف کے مصنف ہیں (۵۲)، علامہ عبدالغنی منذری صاحب ترغیب و ترہیب ۵۸۱ھ (۱۱۸۵-۸۶ء) میں پیدا ہوئے اور ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) میں وفات ہوئی (۵۳)۔

ایک وضاحت اور: یہاں یہ وضاحت بھی ہونی چاہیے کہ عبدالغنی بن سعید الحافظ کے نام میں بھی عموماً غلطی اور تصحیف ہوئی ہے۔ شیخ محمد بن محمد مخلوف نے صراحت کی ہے کہ دراصل عبدالغنی بھی تصحیف ہے، ان کا صحیح نام عبدالحی بن سعید ہے، جیسا کہ ترتیب المدارک (قاضی عیاض) اور صلۃ (ابن بشکوال) میں ہے۔ (۵۴)

احادیث الحنفا ابرازی کے نام کی شمولیت؟ بستان المحدثین میں ایک نام احادیث الحنفا تالیف حسن بن عبداللہ ابرازی تحریر ہے، بستان کے تمام مطبوعہ نسخوں میں اسی طرح ہے لیکن ایک بہت معتبر قلمی نسخہ (۵۵) میں احادیث الحنفا حسن بن عبداللہ ابزاری (اول زائے منقوطہ، آخر میں رائے مہملہ) ہے۔ حدیث کی کتابوں میں یہ نام نہیں ملتا، مگر شیعہ مصنّفین کے تذکروں اور شیعہ علما کی تصانیف کی فہرستوں میں حسین بن عبداللہ ابرازی کا نام آیا ہے، تاہم اس نام میں کسی قدر فرق واختلاف بھی ہے، امام ابن جوزی نے تذکرۃ الموضوعات (۵۶) میں اور ابن جوزی سے نقل کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ (۵۷) میں حسن بن عبیداللہ ابزاری لکھا ہے، جب کہ امام ذہبی نے میزان الاعتدال (۵۸) میں اور ذہبی کے حوالہ سے نامور شیعہ تذکرہ نگار محسن امین نے اعیان الشیعۃ (۵۹) میں حسن بن عبیداللہ ابرازی درج کیا ہے، ڈاکٹر اکرم ندوی اور فارسی نسخہ کے مرتب نے تو کچھ لکھا ہی نہیں۔

اگر ابرازی اور احادیث الحنفا کی اطلاع صرف مطبوعہ نسخوں میں ہوتی تو اس کی توجیہ کی جا سکتی تھی مگر یہ نام معتبر ترین خطی نسخوں میں بھی اسی طرح ہے، اس لیے سوال ہوتا ہے کہ بستان المحدثین جیسی بلند پایہ تصنیف میں حسین ابرازی اور اس کی کتاب احادیث الحنفا کا نام کس طرح درج ہوگیا؟

بستان میں چند اور موقعوں پر بھی بعض عبارتوں کی نقل اور جزوی مندرجات میں فروگذاشت

ہوئی ہے جو زیادہ قابل توجہ نہیں ہے اور یوں بھی: الإنسان مرکب من الخطأ والنسیان۔

بستان المحدثین کے خطی نسخے طباعتیں اور مختلف زبانوں میں ترجمے: قرائن سے لگتا ہے کہ بستان المحدثین شاہ صاحب کی حیات میں معروف ہوگئی تھی، لیکن شاید اس کے قدیم معتمد خطی نسخے اس دور کے حوادث میں گمنام اور بے نشان ہوگئے، اسی لیے مجھے بستان کے کسی ایسے نسخہ کا علم نہیں جو شاہ صاحب کی حیات میں نقل ہوا ہو۔(۶۰)

بستان المحدثین کا قدیم ترین معلوم نسخہ: بستان المحدثین کے جس قدر قلمی نسخوں کا علم ہے ان میں سب سے قیمتی، سب سے پرانا اور نسبۃً معتبر نسخہ وہ ہے جو ایک ایسے نسخہ سے نقل کیا گیا تھا جو مصنف کا قریب العہد تھا۔ شاہ عبدالعزیز کی وفات ۱۲۳۹ھ (۱۸۲۴ء) کے تقریباً سات مہینے بعد نقل کیا گیا تھا۔ اس کی کتابت ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۰ھ (۱۶/جنوری ۱۸۲۵ء) میں مکمل ہوئی تھی، کاتب نے لکھا ہے:

> "قد قوبل بالأصل مع الصون فیما فیه من النقل، لخمس بقین من جمادی الأولیٰ سنة أربعین ومائتین وألف من هجرة النبی صلی الله علیه وسلم وعلی آله وصحبه وسلم"

اس نسخہ سے عبدالمجید خاں عاجز نے ایک اور نسخہ نقل کیا جس کی نقل ۱۷/شوال ۱۲۷۸ھ (۱۷/اپریل ۱۸۶۲ء) کو مکمل ہوئی تھی۔ کاتب نسخہ نے لکھا ہے:

> ''تمام شد کتاب بستان المحدثین، بدست عبدالمجید خاں عاجز بتاریخ ہفتدہم، ماہ شوال المعظم، ۱۲۷۸ھ صورت ارقام پذیر یافت''۔

یہ نسخہ خوبصورت، باریک، خط نستعلیق میں ہے، تحریر آنکھوں کو بھلی لگتی ہے۔ سطریں موزوں اور مرتب ہیں، حروف میں بھی یکسانیت ہے، پختہ عمدہ قلم ہے، فی صفحہ سترہ سطور آئی ہیں، تحریر و کتابت مرتب و مسلسل ہے۔ درمیان میں کوئی وقفہ کسی طرح کی تقسیم اور علاحدہ عنوان نہیں آیا، مگر جو بہت ممتاز شخصیات یا اہم کتابیں ہیں، ان پر لکیر کھینچ کر ممتاز کر دیا ہے، عربی عبارتیں اور اشعار بھی نستعلیق میں ہیں، اس نسخہ پر نہ صفحات کا شمار درج ہے، نہ اوراق کا، میں نے شمار کیا تو کل ۹۵ ورق ہیں یعنی ۱۹۰ صفحات، اس کے بعد ایک صفحہ میں، شاہ عبدالعزیز کا رسالہ فیما یجب حفظه للناظر نقل ہے، اس کے کاتب بھی غالباً نسخہ بستان کے ناقل ہیں۔

اس نسخہ کی تحریر اگرچہ جاذبِ نظر ہے مگر اس نسخہ کو بہت صحیح نہیں کہا جا سکتا، اس میں کہیں کہیں بعض کلمات اور فقرے رہ گئے ہیں، اگرچہ ان اغلاط کو بعد میں حاشیوں پر درست کیا گیا ہے، مگر پھر بھی یہ نسخہ پوری طرح صحیح اور لائق اعتماد نہیں۔ مولانا محمد یحییٰ پھلتی نے اس نسخہ کے آخر میں لکھا ہے: ''وھذا الکتابة سقیم لا یعتمد علیه إلا بعد المراجعة من النسخ الصحیحة۔ یحییٰ''

اس نسخہ کی ایک بڑی خوبی، جس نے اس کی قدر و قیمت میں اضافہ کیا ہے، یہ ہے کہ یہ نسخہ سلسلۂ ولی اللّٰہی سے وابستہ اور شاہ صاحب کے ننیہالی وطن، پھلت کے ایک ممتاز عالم، محدث اور عربی کے بے مثال ادیب، مولانا محمد ایوب ابن قمر الدین پھلتی کے درس اور مطالعہ میں تھا، مولانا محمد ایوب نے اپنے فاضل فرزند مولانا مفتی محمد یحییٰ کو اسی نسخہ سے سبقاً سبقاً پڑھایا تھا۔ جس کی اس کتاب کے اختتام پر درج، ایک عبارت سے تصدیق ہو رہی ہے۔ مولانا مفتی محمد یحییٰ پھلتی نے لکھا ہے:

"قال الفقیر رحمه الله یحییٰ بن أیوب عفا الله تعالیٰ عنهما. فرغتُ من قراءته من أوله إلی آخره علی سیدی الوالد ۹ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ وقبل کنت قرأت علیه قبل ذلك عجالة (النافعة) للمؤلف رحمه الله تعالیٰ۔ والحمد لله تعالیٰ أولاً وآخراً وظاهراً وباطناً آمین"

وهذا الکتاب سقیم، لا یعتمد علیه إلا بعد المراجعة من النسخ الصحیحة. یحییٰ عفا الله عنه" (۶۱)　　(جاری)

حواشی قسط اول و دوم

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ کے دو صاحبزادے اور بھی تھے، مولانا شیخ محمد جو سب سے بڑے تھے اور مولانا شاہ عبدالغنی جو سب سے چھوٹے اور شاہ محمد اسماعیل شہید کے والد تھے، مگر دونوں کی کوئی علمی خدمت اور تفصیلی احوال معلوم نہیں۔ (۲) مقالات طریقت ص: ۳۲، (طبع اول حیدرآباد ۱۲۹۲ھ) آگرہ کا قاضی خاندان، پرانا بڑا علمی خاندان تھا، جو تاج گنج میں رہتا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس کا ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا جس کا خاصا حصہ ۱۹۴۷ء تک موجود تھا، بعد میں یہ پورا خاندان پاکستان منتقل ہو گیا، اب اس خاندان کا کوئی فرد آگرہ (محلہ تاج گنج) میں مقیم نہیں ہے۔ (اطلاع: مفتی مجدالقدوس صاحب رومی الہ آبادی قاضی و مفتی شہر آگرہ)۔ (۳) فتاویٰ عزیزی (مرتبہ مولانا محمد احسن

نانوتوی) ص:۳۵ جلد دوم (مجتبائی، دہلی: ۱۳۲۵ھ۔۸۔۷۔۱۹۰۷ء)۔(۴) فتاویٰ عزیزی ص:۴۳، جلد دوم (مجتبائی دہلی: ۱۳۲۵ھ۔۸۔۷۔۱۹۰۷ء)۔(۵) فتاویٰ عزیزی ص:۳۳، جلد دوم (مجتبائی دہلی: ۱۳۲۵ھ۔۸۔۷۔۱۹۰۷ء)۔ (۶) فتاویٰ عزیزی ص:۳۶، جلد دوم (مجتبائی دہلی: ۱۳۲۵ھ۔۸۔۷۔۱۹۰۷ء)۔(۷) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اوران کی علمی خدمات، ڈاکٹر ثریا ڈار ص:۲۵۵ (طبع اول، لاہور: ۱۹۹۱ء)۔(۸) مقالات طریقت، عبدالرحیم ضیا ص:۳۲، (طبع اول حیدرآباد ۱۲۹۲ھ)۔(۹) مصدق الدین، حضرت شاہ فخرالدین کے متوسلین میں شامل ہوگئے تھے، جیسا کہ تفسیر فتح العزیز کی تمہیدی عبارت سے معلوم ہورہا ہے۔ شاہ فخرالدین سے ارادت کا پروفیسر خلیق احمد نظامی نے بھی تذکرہ کیا ہے، ملاحظہ ہو:

"تاریخ مشائخ چشت ص:۴۹۲ (طبع اول دہلی مئی: ۱۹۵۳ء)"

(۱۰) مقالات طریقت، عبدالرحیم ضیا ص:۳۲ (حیدرآباد: ۱۲۹۲ھ)۔(۱۱) شیخ مصدق الدین کے ایک بیٹے مولوی اکرام الدین تھے، جو مولوی اکرام الدین واعظ دہلوی کے نام سے مشہور ہوئے۔ مولوی اکرام الدین بھی، شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، درس میں مکمل قرآن شریف، شاہ صاحب سے سنا، شاہ محمد اسحاق کی ہجرت کے بعد الٰہ آباد چلے گئے تھے، وہیں وفات ہوئی۔

مولوی اکرام الدین صاحب کی دو تالیفات بہت مشہور اور ایسی فیض بخش ہیں کہ آج تک ان کی طباعت و اشاعت اوران سے استفادہ کا سلسلہ جاری ہے۔ ایک تحفۃ الاسلام (تفسیر سورۂ فاتحہ) جو محرم ۱۲۴۲ھ (ستمبر ۱۸۲۶ء) میں لکھی گئی تھی، آج تک پڑھی جاتی ہے۔

دوسری تالیف طب نبوی ہے، جو کثرت طباعت و استفادہ میں تحفۃ الاسلام سے بہت بڑھی ہوئی ہے۔ طب نبوی ہندوستان کے آخری دور کے مغل حکمران، اکبرشاہ ثانی کی فرمائش پر لکھی گئی تھی، جو اب تک ہندو پاکستان میں برابر چھپتی رہتی ہے۔ مولوی اکرام الدین واعظ دہلوی کا اردو ادب اور نثر کی تاریخ پر لکھنے والوں نے کئی موقع پر تذکرہ کیا ہے، تحریک سید احمد شہید کے متعلقات میں بھی ان کا تذکرہ جگہ جگہ آتا ہے۔ بعض معلومات کے لیے دیکھیے: اردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصہ، ڈاکٹر محمد ایوب قادری ص:۱۸۸-۱۹۰ (طبع اول لاہور: ۱۹۸۸ء)۔

(۱۲-۱۳) مقدمہ تفسیر فتح العزیز۔(۱۴) فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی ندوۃ العلما لکھنؤ، ص:۱۶-۱۵ (تحقیقات فارسی دہلی: ۱۹۸۶ء)۔(۱۵) یہ تمام اصحاب جن کے نام یہاں درج ہوئے، اس وقت کی علمی اشاعتی دنیا کے سب سے بڑے اہل نظر، محقق اور مصحح تھے، ایشیاٹک سوسائٹی، مدرسہ عالیہ کلکتہ نیز کلکتہ اور ہوگلی سے شائع ہونے والی اکثر

بڑی علمی کتابیں ان ہی علمائے کرام کی توجہ، تصحیح اور اہتمام سے چھپتی تھیں، جس میں: حافظ ابن حجر عسقلانی کی الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ رضی اللہ عنہ، علامہ سیوطی کی الإتقان فی علوم القرآن بتصحیح مولانا سدید الدین (بن مولانا مفتی صدر الدین آزردہ) دہلوی۔ فتاویٰ حمادیہ، فتاویٰ قاضی خاں، درمختار، فصول عمادی، کشاف اصطلاحات الفنون اور فیروز آبادی کی قاموس ممتاز ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بیسیوں کتابیں، ان علما کی کوششوں اور توجہ سے چھپی تھیں، فجزاهم الله تعالیٰ خیر الجزاء۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان کتابوں کی کلکتہ اور اس کے اطراف سے جو طباعتیں ہوئیں، وہ ان سب کتابوں کی دنیا میں سب سے پہلی طباعتیں تھیں اور یہ کتابیں صحت متن کے لحاظ سے اب بھی بے نظیر ہیں، یہ سب کتابیں نسخ یا نستعلیق ٹائپ پر چھپتی تھیں، افسوس کہ درج بالا اکثر علمائے کرام میں دو تین ہی ایسے ہیں جن کے کچھ حالات مل جاتے ہیں۔

(۱۶) تفسیر عزیزی کی ایک طباعت مطبع احمدی کلکتہ کی ہے جو سید عبداللہ کے اہتمام سے چھپی تھی اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس طباعت کا ایک نسخہ دارالمصنّفین اعظم گڈھ کے کتب خانہ میں ہے۔(۱۷) احمدی کلکتہ کی یہ طباعت دارالمصنّفین اعظم گڈھ کی لائبریری میں موجود ہے، اس کے متعلقہ صفحات کا عکس محترمی مولانا عمیر الصدیق صاحب شریک ادارت ماہنامہ معارف، دارالمصنّفین اعظم گڈھ نے ارسال فرما کر ممنون کیا، بہت بہت شکریہ! جزاہ اللہ تعالیٰ مگر ان کے بالکل آخری صفحات اس نسخہ سے غائب ہیں، ضائع ہو چکے ہیں۔(۱۸) بستان التفاسیر (اردو ترجمہ) پارۂ تبارک الذی، مہتاب پریس دہلی: ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۹ء۔(۱۹) یہ اطلاع و اقتباس جناب ڈاکٹر راہی فدائی صاحب، بنگلور کے ایک مضمون سے لیا ہے، محترم فدائی صاحب نے ازراہِ کرم طباعت سے قبل، اپنے اس مضمون کا عکس بھجوا کر ممنون کیا، فجزاہ اللہ تعالیٰ! دلی شکریہ۔(۲۰) ترجمہ ہائے متون فارسی بہ زبانہائے پاکستان، تالیف: جناب اختر راہی، ص۴ (تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء)۔(۲۱) یہ بہادر علی کون تھے، صراحت نہیں ملی۔ ایک اور سید بہادر علی تھانیسر کے رہنے والے، اچھے عالم، باصلاحیت شخص اور شاہ صاحب کے متوسلین میں تھے جو بعد میں بنگال چلے گئے تھے، رامپور میں ایک مطبع قائم کیا تھا جو ہندوستان میں طباعت و اشاعت کی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ سید بہادر علی کی شاہ صاحب سے خط و کتابت بھی تھی، سید بہادر علی نے گل کرسٹ (Gil-Christ) کی فرمائش پر فورٹ ولیم کالج کی طرف سے قرآن کریم کا ایک اردو ترجمہ کیا تھا، جو کم سے کم ایک مرتبہ شائع بھی ہوا تھا، اس ترجمہ کے لیے گل کرسٹ نے جو افراد منتخب کیے تھے، اس میں پہلی اور اہم ترین شخصیت، سید بہادر علی کی تھی۔

سید بہادر علی کا جناب غلام رسول مہر نے جماعت مجاہدین، ص ۲۹۷-۲۹۹ جلد اول، طبع اول لاہور میں اور ڈاکٹر عبیدہ بیگم نے فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات، ص ۴۳۲-۴۳۹ (لکھنؤ ۱۹۸۳ء میں) تذکرہ کیا ہے۔

سید بہادر علی کے بیٹے سید عبداللہ تھے، یہ بھی فاضل شخص تھے، نشر و طباعت کی دنیا میں ان کا بھی بڑا نام ہے، سید عبداللہ نے خاندان ولی اللّٰہی کی ممتاز تصانیف شائع کیں، شاہ عبدالقادر کا موضح قرآن سب سے پہلے ان ہی کو چھاپنے کی سعادت حاصل ہوئی، حضرت شاہ ولی اللہ کی الفوز الکبیر اور شاہ اسماعیل شہید کی تقویۃ الایمان بھی، سب سے پہلے سید عبداللہ نے اپنے مطبع احمدی، کلکتہ سے شائع کی تھی، سید عبداللہ اور بہادر علی دونوں کا، اردو ادب کی تاریخ میں تذکرہ آتا ہے۔ (۲۲) فہرست مخطوطات فارسی رضا لائبریری رام پور، مرتبہ مولانا امتیاز علی عرشی، قلمی۔

میں نے اس کا نام رضا لائبریری رام پور کی مخطوطات کی دستی قلمی فہرست میں دیکھا تھا، مگر رضا کے مخطوطات کی عربی، فارسی کی مطبوعہ فہرستوں میں اس کا نام نہیں ملا، شاید طباعت سے رہ گیا۔ (۲۳) ازالۃ الغین عن بصارۃ العین تین بڑی جلدوں میں فارسی میں ہے، یہ فقرہ تیسری جلد کے نویں مبحث میں آیا ہے، یہاں اس کا صرف ترجمہ حاضر ہے۔ (۲۴) مقالات طریقت عبدالرحیم ضیا، ص ۳۳، طبع اول حیدرآباد ۱۲۹۲ھ۔ (۲۵) ٹونک میں محفوظ دونوں جلدوں کے ابتدائی اور آخری صفحات کے عکس کے لیے، مکرمی صاحبزادہ ڈاکٹر صولت علی خاں صاحب (ڈائریکٹر مولانا ابوالکلام آزاد، عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک راجستھان) اور مولانا صلاح الدین قمر میاں صاحب ٹونک کا ممنون ہوں، شکریہ۔ (۲۶) ان جلدوں کے تعارف اور مزید معلومات کے لیے دیکھیے: فہرست نسخہائے خطی فارسی کتاب خانہ ندوۃ العلما لکھنؤ، ص ۸-۱۱، مرکز تحقیقات فارسی ایران، دہلی ۱۹۸۶ء، ان نسخوں کے اول آخر صفحات کے عکس کے لیے شعبۂ مخطوطات کے نگراں، مولانا فیضان نگرامی اور ان کے معاون، مولوی عبدالرحمن اندوری کا شکریہ۔ (۲۷) مقدمہ حکیم انیس احمد پھلتی۔ شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان، تالیف: حکیم محمود احمد برکاتی، ص ۲۰، طبع اول، لاہور ۱۹۷۶ء۔ (۲۸-۲۹) شاہ جہاں آباد پرانی دلّی کو کہتے تھے، جو ہندوستان کا مرکز حکومت تھا اور بہادر شاہ ظفر ہندوستان کا آخری مسلم حکمراں تھا۔ (۳۰) یہ نسخہ جس کا یہاں تعارف کرایا گیا، ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے اور میں نے اس طباعت کے کم سے کم دو نسخے اور دیکھے ہیں، جس میں سے ایک حضرت شاہ صاحب کے شاگرد مولانا منشی جمال الدین مدارالمہام بھوپال کی ملکیت میں رہا تھا، اس پر منشی جی کی مہر اور تحریریں ہیں اور اسی نسخہ میں انہوں نے کئی سال تک پڑھایا بھی ہے۔ (۳۱) خاتمۃ الکتاب للمؤلف، ص ۵۵۲، ج ۴ (طبع اول مطبع انصاری دہلی، صفر ۱۳۲۲ھ)۔

یہی بات اس طباعت کے مصحح مولانا تلطف حسین محی الدین پوری عظیم آبادی نے خاتمۃ الطبع میں لکھی ہے اوران تمام نسخوں کا مکرر تعارف کرایا ہے جس کا مصنف عون المعبود نے خاتمۃ الکتاب میں تذکرہ کیا ہے۔

ہمارے ذخیرہ میں عون المعبود کی یہ پہلی طباعت موجود ہے اور ایسا لگتا ہے کہ اس نسخہ کی بعد میں تصحیح بھی کی گئی ہے، متن وحواشی میں تصحیح کی علامات وکلمات درج ہیں۔

یہاں افسوس کے ساتھ اپنے ذخیرہ کے ایک اور نسخہ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو ضائع ہوگیا، یہ غاية المقصود کی پہلی طباعت کی پہلی جلد تھی جس کا صفحہ صفحہ تصحیح مکرر اور نظر ثانی سے رنگین تھا، ممکن ہے یہ مولانا شمس الحق صاحب کی کاوش اور قلم ہو یا کسی اور نے اس کی مکمل مکرر تصحیح فرمائی ہو، یہ نسخہ ہمارے یہاں سے غائب ہوگیا ہے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ (۳۲) خاتمۃ الکتاب للمولف، ص ۵۵۲، جلد ۴، مطبع انصاری دہلی ۱۳۲۲ھ۔ (۳۳) یہ نسخہ اس لحاظ سے بھی قابل ذکر ہے کہ اس پر مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی نے، اپنے استاد حدیث (مولانا شاہ حلیم عطا) کے افادات بھی قلم بند کردیے ہیں، مگر حضرت مولانا کے یہ افادات کہیں مرتب نہیں ہوئے، ضرورت ہے کہ ان کو محفوظ کرکے شائع کیا جائے۔ (۳۴) عجالۂ نافعہ حضرت شاہ عبدالعزیز، ص ۳، مطبع مصطفائی کانپور، طبع اول ۱۲۵۵ھ۔ (۳۵) عجالۂ نافعہ، ص ۵، (طبع اول: ۱۲۵۵ھ)۔ (۳۶) عجالۂ نافعہ کا قدیم ترین اور معتبر ترین قلمی نسخہ جو میری نظر سے گذرا ہے مدرسہ صولتیہ میں تھا، جو حضرت شاہ محمد اسحاق کے نسخہ سے نقل ہوا تھا، اب تو مدرسہ صولتیہ ہی نہیں رہا، نسخہ کا کیا تذکرہ۔

عجالۂ نافعہ کا ایک اور خطی نسخہ جو محمد افضل بن فضل کے قلم سے ۱۲۵۳ھ میں نقل ہوا تھا، اسلامک انسٹی ٹیوٹ تغلق آباد، دہلی کی لائبریری میں تھا۔ (۳۷) بستان المحدثین، ص ۲، فارسی طبع اول ۱۲۷۷ھ، لاہور۔ (۳۸) ص ۱۴۳، اطہر عباس رضوی صاحب (لاہور: ۲۰۰۴ء)

Shah Abdul aziz

Puritanism, Sectarian, Polemics and Jihad

(۳۹) بستان المحدثین فارسی، ص ۹۸، طبع اول لاہور، اردو ترجمہ، ص ۲۵۲، مرتبہ: نورالحسن راشد کاندھلوی (کاندھلہ ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء)۔ (۴۰) بستان المحدثین فارسی، ص ۹۷، طبع اول لاہور، اردو ترجمہ، ص ۲۵۱، مرتبہ: نورالحسن راشد کاندھلوی (کاندھلہ ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء)۔ (۴۱) بستان المحدثین فارسی، ص ۸۷، طبع اول لاہور، اردو ترجمہ، ص ۲۲۳، مرتبہ: نورالحسن راشد کاندھلوی (کاندھلہ ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء)۔

مسلسلات امام جزری، اگر چہ حال میں شائع ہوگئی ہے، مگر اس قدر نادرالوجود اور کمیاب ہے کہ دنیا کے معلوم کتب خانوں میں اس کے نسخوں کی تعداد پانچ چھ سے زائد نہیں ہے۔ (۴۲) بستان المحدثین، ص ۲۵، فارسی

طبع اول لاہور، اردو ترجمہ، ص ۶۱، مرتبہ نورالحسن راشد کاندھلوی (کاندھلہ ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء)۔(۴۳) بستان المحدثین، ص ۳۱، فارسی طبع اول لاہور، اردو ترجمہ، ص ۸۷، مرتبہ نورالحسن راشد کاندھلوی (کاندھلہ ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء)۔ (۴۴) بستان المحدثین، ص ۸۹، طبع اول فارسی لاہور، اردو ترجمہ، ص ۲۲۸، مرتبہ نورالحسن راشد کاندھلوی (مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء)۔(۴۵) بستان المحدثین، ص ۹۴، طبع اول فارسی لاہور، اردو ترجمہ، ص ۲۴۰، مرتبہ نورالحسن راشد کاندھلوی (مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء)۔(۴۶) اس کا پہلا تذکرہ شیخ محمد بن علوی مالکی نے "انوار المسالک الی روایات مؤطا مالک" میں کرایا ہے۔(ص: ۲۴۸) بعد میں شیخ شاذلی النیفر نے ترتیب وتحقیق کے بعد دار الغرب الاسلامی بیروت سے ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء میں شائع کردیا تھا۔(۴۷) بستان المحدثین فارسی، ص ۲، طبع اول لاہور۔(۴۸) دکن کے بڑے عالم اور محدث زجاجۃ المصابیح کے مصنف تھے، سید مظفر حسین کے یہاں ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ میں ولادت ہوئی، ۱۸؍ ربیع الآخر ۱۳۸۴ھ/ ۲۷؍ اگست ۱۹۶۴ء کو وفات ہوئی۔

تفصیلی احوال کے لیے ملاحظہ ہو: تذکرہ حضرت محدث دکن، ڈاکٹر عبدالستار خاں طبع سوم حیدرآباد: ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء۔(۴۹) بستان المحدثین، ص ۲۷، طبع اول فارسی لاہور۔(۵۰) سوید بن سعید کے لیے دیکھیے:

مختصر الکامل لابن عدی، ص ۳۹۹، تحقیق: ایمن بن عارف دمشقی (طبع اول، بیروت، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء)۔ تہذیب التہذیب، ص ۲۷۲ سے ۲۷۵ تک، جلد ۴، (دائرۃ المعارف، حیدرآباد ۱۳۲۵ھ)۔شذرات الذہب لابن العماد، ص ۱۸۱، ۱۸۲، جلد سوم، تحقیق: محمود الارناؤوط دار ابن کثیر، دمشق (طبع ۳، ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء)۔

سوید بن سعید کی روایت کا شیخ محمد بن علوی المالکی نے اپنی فاضلانہ تصنیف انوار المسالک الی روایات مؤطا مالک میں خاصا مفصل تعارف کرایا ہے اور مکتبہ طاہریہ دمشق میں موجود اس کے ایک نسخہ کی بنیاد پر اس کی روایت کی تفصیل بیان کی ہے کہ اس میں کون کون سی کس طرح کی روایات ہیں، اس کے ابواب کی ترتیب کیا ہے اور امام یحییٰ بن یحییٰ کی روایت سے اور روایات کہاں کہاں کس طرح مختلف ہیں اور جن روایات میں سوید بن سعید منفرد ہیں، ان کا بھی تذکرہ کیا ہے، ملاحظہ ہو: کتاب مذکور، ص ۲۳۳ تا ۲۳۸۔(۵۱) بستان المحدثین، ص ۴۸، طبع اول فارسی، لاہور۔(۵۲) سیر اعلام النبلا، ص ۲۶۸، ۲۷۳، ج ۱۷۔شذرات الذہب لابن العماد، ص ۵۴، جلد ۵، تحقیق: محمود الارناؤوط (دمشق ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء)۔

نیز ملاحظہ ہو: ترتیب المدارک، قاضی عیاض یحصبی، ص ۶۳۱، جلد ۳، (مکتبۃ القدس قاہرہ)۔شجرۃ النور الزکیۃ، محمد بن محمد مخلوف، ص ۲۸۹، جلد ۱، (مکتبۃ القدس قاہرہ)۔

بستان المحدثین کی تازہ ایرانی طباعت میں بستان کی اس فروگذاشت کو درست کرنے کی کوشش کی گئی

ہے، مگراس کی وجہ سے وہاں ایک غلطی مزید ہوگئی ہے، عبدالرحمن سلیمی صاحب نے لکھا ہے:

''وحاکم وعبدالغنی ومنذری صاحب ترغیب وترہیب'' بستان نسخہ ایران، ص:۱۶۷۔

سلیمی صاحب نے سب کے درمیان میں، ایک ایک واؤ کا اضافہ کرکے ان کو تین حصوں میں تقسیم کردیا لیکن صحیح وہی ہے جو اوپر گذرا۔(۵۳) علامہ عبدالغنی منذری کے تعارف کے لیے ملاحظہ ہو: شذرات الذہب، لابن العماد، ص۴۷۹۔۴۸۰، جلد ہفتم۔ تحقیق: محمود الارناؤوط، طبع دوم، دار ابن کثیر دمشق ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء، مکتبہ القدس قاہرہ۔(۵۴) ترتیب المدارک قاضی عیاض یحصبی، ص۱۳۱، جلد سوم۔ شجرۃ النور الزکیۃ، محمد بن محمد مخلوف، ص ۲۸۹، جلد اول، مکتبہ القدس قاہرہ۔(۵۵) یہ نسخہ، نسخۂ مصنف کی نقل کی نقل ہے جو ۱۲۶۷ھ میں کتابت ہوا۔ ممتاز عالم اور محدث مولانا مفتی محمد ایوب بن قمرالدین پھلتی نے اسی نسخہ میں اپنے بیٹے مولانا مفتی محمد یحییٰ پھلتی اور شیخ احمد ابوالخیر مکی کو پڑھایا تھا اور اس کی تصحیح مزید بھی کی تھی۔(۵۶) تذکرۃ الموضوعات: امام ابن جوزی، ص ۳۴۲، ج ۱، (دارالکتب السلفیۃ، مدینہ منورہ ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء)۔(۵۷) منہاج السنۃ: امام ابن تیمیہ، ص ۱۹۸، ج ۴، دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء)۔(۵۸) میزان الاعتدال: امام ذہبی، ص ۲۹۷، ج ۲، دائرۃ المعارف، حیدرآباد ۱۳۳۰ھ)۔(۵۹) اعیان الشیعۃ: محسن امین، ص۸۶، ج۲، تحقیق: احسن امین (دارالتعارف للمطبوعات، بیروت)۔

بشکریہ مولانا فیصل احمد بھٹکلی، ندوی

(۶۰) مدرسہ محمدیہ جامع مسجد بمبئی کی مطبوعہ فہرست میں بستان المحدثین کے ایک نسخہ کا تذکرہ ہے جس میں اس کا سنہ کتابت ۱۲۳۹ھ لکھا ہوا ہے، میں نے پہلی طباعت اور بعض تحریروں میں اس نسخہ کا، بستان کے قدیم ترین معلوم خطی نسخے کی حیثیت سے تذکرہ کیا تھا مگر وہ اطلاع صحیح نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ نسخہ پہلی طباعت کا ہے، غلطی کتب خانہ کی مطبوعہ فہرست کی ہے، اس فہرست کی ترتیب یہ ہے کہ اس کے ایک کالم میں مطبع کا نام، دوسرے میں سنہ کتابت یا طباعت تحریر ہوتا ہے، اس میں مطبع کا نام منشی محمد منیر لکھا ہوا ہے جو بستان المحدثین کے سب سے پہلے ناشر تھے، یہ ہوپ پریس لاہور سے چھپا تھا اور ۱۲۷۷ھ کی طباعت ہے لیکن فہرست مدرسہ محمدیہ میں اس کا سنہ طباعت ۱۲۳۹ھ کا لکھا ہوا ہے جو بالکل غلط ہے، ۱۲۳۹ھ تک شمالی ہندوستان میں کوئی پریس قائم نہیں ہوا تھا، اس لیے اس نسخہ کو خطی سمجھنا غلط ہے۔ یہ لاہور کی طباعت ہے جس سے بستان کی طباعتوں کا آغاز ہوا، ممکن ہے قدیم فہرست سے کسی کو مغالطہ ہو، اس لیے یہ وضاحت ضروری تھی۔(۶۱) یہ نسخہ نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی کی لائبریری میں موجود ہے۔

اس نسخہ کے عمدہ عکس کی فراہمی کے لیے، جناب شجاع صاحب کراچی کا تہہ دل سے ممنون ہوں، جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

وفد خلافت سے متعلق علامہ سید سلیمان ندوی کی ایک نادر تحریر

☆ جناب طلحہ نعمت ندوی

۱۹۲۰ء میں علامہ سید سلیمان ندوی جمعیت خلافت کی طرف سے مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں یورپ کے سفر پر تشریف لے گئے تھے، اس کی داستان مرتب شکل میں ارکان وفد میں سے کسی کے قلم سے نہیں آسکی، البتہ علامہ نے وقتاً فوقتاً جو خطوط ہندوستان کے مختلف اہل علم کو ارسال فرمائے، ان کو خود سید صاحب ہی نے مرتب کر کے برید فرنگ کے نام سے اس سلیقہ سے شائع کیا کہ اس کی حیثیت مستقل سفرنامہ کی ہوگئی۔ خوش قسمتی سے راقم کو ایک مختصر کتابچہ "حسابات وفد خلافت" کے نام سے ہاتھ آیا ہے جس میں اخیر میں تو اس وفد کے قیام لندن کے حساب کی تفصیل ہے لیکن آغاز میں سید صاحب کا ایک بہت اہم اور دلچسپ مقدمہ ہے جو عام طور پر اہل علم کی نظروں سے اوجھل ہے، کتابچہ کے سرورق پر حسب ذیل الفاظ ہیں "حسابات وفد خلافت یورپ (بہ زیر نگرانی رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب مدظلہ رئیس وفد خلافت) معہ مقدمہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، من جانب احمد حاجی صدیق کھتری آنریری سکریٹری مجلس مرکزیہ خلافت ہند بمبئی، باہتمام عبدالغنی بی اے (علیگ) در خلافت پریس واقع جیکب سرکل بمبئی ۱۱ طبع گردید"۔ اس میں بہت سی وہ باتیں آگئی ہیں جو سید صاحب کے خطوط میں نہیں ملتیں اس لیے یہ دلچسپ اور نادر تحریر یہاں پیش کی جارہی ہے۔

محمد علی: افسوس ہے کہ یہ اوراق اس وقت آپ کے ہاتھوں میں دیے جارہے ہیں جب ہمارا رئیس وفد اسیر قید و زنداں اور گرفتار طوق و سلاسل ہے، وہ اگر آزاد ہوتا تو خود اس امانت کا حساب قوم کو

☆ استھانواں، بہار شریف، بہار۔

سمجھا چکا ہوتا جو قوم نے اس کے سپرد کی تھی، اگر اس کام کے لیے اس یوم سعید کا انتظار کیا جائے جب جبر و اشتداد کی بیڑیاں اس کے پاؤں سے کٹ کر گر پڑیں گی اور حق کے جلال کے ساتھ وہ دوبارہ ہمارے عالم کاروبار میں نمودار ہوگا تو اس قدر تاخیر ہو جائے گی کہ دراندازوں کو ملک میں بدگمانیوں کے پھیلانے کے نئے نئے مواقع بہم پہنچیں گے اور کون کہہ سکتا ہے کہ اس انتظار کی گھڑی کے آنے کے بعد پھر قومی و ملکی خدمات کی تازہ مصروفیتیں اس کام کی تکمیل کا موقع دے سکیں گی یا آج باطل کی جو قوت اس کو ہم سے بزور چھین چکی ہے وہ کل بزور چھین نہ لے گی، اسی خیال سے مزید انتظار کیے بغیر یہ اوراق ان لوگوں کی خدمت میں پیش ہیں جن کی امانت کے اب تک ہم ذمہ دار تھے۔

اینگلو انڈین اصحاب اور حساب وفد: یہ عجیب بات ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ وفد کے حسابات کا ہمارے اینگلو انڈین دوستوں کو اہتمام و انتظار ہے، یقیناً ان کی یہ ہمدردی شکریہ کی مستحق تھی، بشرطیکہ ان کی زبانوں کے ساتھ ان کے دل بھی ہوتے۔ ان دوستوں کا مقصود صرف اس قدر ہے کہ لوگوں کو سچے قومی کارکنوں سے بدگمان کر کے اصل کام کی بنیاد پر ضرب کاری لگا سکیں لیکن شاید وہ اس فلسفہ کے سمجھنے سے عاجز ہیں کہ وہ جس قدر کسی قومی کارکن کو بدنام کرنے میں اہتمام بلیغ کریں گے اسی قدر اس کی مقبولیت اور ہر دل عزیزی میں اضافہ کرتے رہیں گے ۔

قبول خاطر دلہا خدا دست، می دانی؟

وفد خلافت کو کاغذات حساب کا اہتمام: وفد خلافت نے کاغذات اور حسابات کے درست اور مرتب رکھنے کا اہتمام پہلے ہی دن سے کر لیا تھا اور اسی لیے اس نے حسن محمد حیات صاحب بی اے علیگ کے خدمات وفد خلافت کے سکریٹری کی حیثیت سے حاصل کر لیے تھے، انہوں نے اس فرض کو جس تندہی، جانفشانی اور محنت کے ساتھ انجام دیا اس کی شہادت تو وہ دے سکیں گے جنھوں نے ان کو ولایت کے دفتر میں دو دو بجے رات تک کام کرتے دیکھا ہے، یا اس کا اندازہ کچھ وہ لوگ کر سکیں گے جن کو وفد کے ان کاغذات، واوچر اور رسیدات کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں اور پرزوں کے دیکھنے کا جو دفتر خلافت کے کئی صندوقوں میں اب تک محفوظ ہیں موقع ملا ہے۔ متعدد راتیں ان کی مہینے میں ایسی گذرتی تھیں کہ وہ کاغذات کی ترتیب و تلاش میں شب زندہ دار رہتے تھے اور شاید ہی تمام مدت قیام یورپ میں دو بجے شب سے پہلے ان کو دن بھر کے کاغذات سمیٹنے کے بعد بستر پر جانے کا اتفاق ہوا ہو،

واپسی میں برنڈزی سے لے کر بمبئی تک خود ان کے قول کے مطابق ان کو یہ بھی بہ مشکل احساس رہتا تھا کہ وہ سمندر میں چل رہے ہیں یا خشکی پر، یہ پورا زمانہ اس کوشش میں صرف ہوا کہ ادھر ہمارا جہاز بمبئی میں لنگر انداز ہو اور ادھر اس دفتر بے پایاں کی ترتیب و درستگی سے نجات مل جائے۔

وفد خلافت کے دفتر کا کام رفتہ رفتہ اس قدر وسیع ہوگیا تھا کہ تنہا ایک سکریٹری کے بس سے باہر ہوگیا، اس موقع پر ہم اپنے دوست عبدالرحمٰن صاحب صدیقی کا نام لیے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے، جنھوں نے محض خلوص خاطر اور جوش دینی کی بنا پر اپنی تعلیم کو خیر باد کہا اور دفتر کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور آکسفورڈ چھوڑ کر پورے چھ سات مہینے یعنی جب تک وفد خلافت ولایت میں رہا وہ ہر روز صبح سے شام تک میز سے سر نہیں اٹھاتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ ایک تو طبعاً ان کو اس پر مزہ کام سے دلچسپی ہے اور دوسرے جنگ بلقان کے زمانہ میں طبی وفد ٹرکی کے منیجر کی حیثیت سے وہ اس سے پہلے کامیاب فرائض انجام دے چکے تھے، اس لیے ان کے تجربہ سے فائدہ اٹھانے کا موقع ہاتھ آیا، اس سلسلہ میں مسٹر شعیب قریشی کا نام لینا بھی ضروری ہے جنھوں نے دفتر خلافت کی علمی و تحریری امداد میں پورے چھ مہینے صرف کیے اور اس کام کے لیے حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے بڑی قربانی گوارا کی اور اپنے فرائض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔

ہمارے رئیس وفد کو حسابات کی ترتیب اور درستگی میں اس قدر اہتمام بلکہ غلو تھا کہ کبھی کبھی ان کے ساتھ کے "ملا" کو غصہ آجاتا تھا، ان کے ہاتھ سے جو اخراجات ہوتے تھے وہ روزانہ ان کو اپنے نوٹ بک میں عموماً درج کر لیتے تھے، اسی کے ساتھ ان کا یہ بھی فرض تھا کہ اپنے بے پروا رفقائے سفر کے اخراجات کو یاد رکھیں اور رات کو سوتے وقت جب بنیوں کی طرح وہ دن کا حساب کرنے بیٹھتے تھے تو حقیقت یہ ہے کہ ان کی یادداشت پر تعجب ہوتا تھا۔

ترتیب حساب کے مشکلات: محمد علی صاحب کی کوشش تھی کہ روز کا روز حساب ہوجایا کرے لیکن جب تک لندن میں قیام رہتا تھا، یہ کام آسان تھا لیکن مشکل یہ آن پڑتی تھی کہ ہر دوسرے، تیسرے ہفتہ میں مختلف دورے اور سفر درپیش آجاتے تھے، اس رواروی میں حسابات کا مرتب رکھنا اور ریل اور جہاز میں بیٹھ کر روز روز کی میزان لگانا عملاً کسی قدر مشکل تھا، ایک معمولی سفر میں تو انسان بدحواس ہوجاتا ہے پھر ایسے دور دراز سفر میں جہاں ۲۴ گھنٹے کے اندر متعدد ملک، متعدد قوموں اور متعدد

زبانوں سے واسطہ پڑتا تھا، ریل کے ہچکولے اور جہاز کی طوفان خیز موجیں قوائے دماغی وجسمانی کو درہم برہم کردیتی تھیں، دفتر حساب کھول کر بیٹھنا اوران کو صاف کرلینا کس قدر مشکل بلکہ عملاً محال تھا۔ اس دوڑ بھاگ اور چل پھر میں چھوٹے چھوٹے کاغذات، ہوٹل کے بلوں، ڈاک، تار ااور ادائے زر کی رسیدوں کو اور واؤچروں کو سنبھال کر رکھنا اور گاڑی ٹیکسی، قلی، ریل، جہاز، ریفریشمنٹ روم، خرید اخبارات وغیرہ کی ادا کاریوں کو ہوٹل پہنچ کر اطمینان کے ساتھ بیٹھنے تک یاد رکھنا اوران کو نوٹ بک پر ٹانکتے جانا معمولی کام نہ تھا۔

اس سے زیادہ دقت یہ تھی کہ یورپ کے مختلف ملکوں میں سفر کرنا پڑتا تھا، آج انگلستان ہیں، کل فرانس، پرسوں سوئزرلینڈ، چوتھے دن اٹلی، یورپ کے مسافروں کو معلوم ہے کہ یورپ کے سفروں میں سکّوں کے مبادلہ کی کس قدر دقتیں پیش آتی ہیں، ہر نئے ملک میں نئے سکہ کی ضرورت پیش آتی ہے اور دوسرے ملک کا سکہ وہاں بیکار ہوجاتا ہے، اس سے کسی ایک سکہ میں حساب کی یکسانی کو قائم رکھنا محال تھا، جب ایک ملک سے دوسرے ملک کو جانا ہوتا تھا تو اس ملک کے تمام سکوں کو دوسرے ملک کے سکوں میں تبدیل کرانا پڑتا تھا، اسی طرح مختلف شہروں سے لوٹ کر جب ہم اپنے مستقر پر پہنچتے تھے توسکریٹریوں کو کئی کئی دن ان سکوں کو انگریزی سکوں میں تبدیل کرکے حساب درست کرنے میں لگ جاتے تھے اور پھر بھی مشکوک رہ جاتے تھے۔

مشکلات کا اب بھی خاتمہ نہیں ہوا ہے، یورپ میں ہر روز ہر شخص کا پہلا کام یہ ہے کہ اخبارت کے کالموں میں سکوں کی قیمت پڑھ لے، جس زمانے میں ہمارا وہاں قیام تھا، یہ حال تھا کہ ہندوستانی، فرانسیسی، سوئس اور اٹالین سکوں کی قیمت ہر روز بلکہ کبھی دن میں کئی کئی دفعہ اُترتی چڑھتی رہتی تھی۔ ہمارے پاس ہندوستان سے روپیوں کی صورت میں رقم بھیجی جاتی تھی، وہاں ہم کو انگریزی پونڈ کی شکل میں ملتی تھی۔

روپیوں کا بھاؤ کسی ایک نظام پر نہ تھا، اب اس پونڈ کو لے کر جو ہم فرانس پہنچے تو ان کو ''فرانک'' بنانا پڑا، ہر روز فرانک کا نرخ گھٹتا بڑھتا رہتا تھا، وہاں سے اٹلی جانا ہوا تو ''فرانک'' کو 'لیرہ' کی شکل میں بدلوانا پڑا، ایک پونڈ کے مقابلہ میں ۴۰ فرانک سے ۵۵ بلکہ ۶۰ فرانک تک ہر روز الٹ پھیر ہوا کرتا تھا، اٹلی کا سکہ ایک پونڈ کے مقابلہ میں ۵۰ سے لے کر ۸۰ تک بدلتا رہتا تھا، ایسی حالت میں

ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ وفد خلافت کے حسابات کی ترتیب اس قدر آسان نہ تھی جس قدر بظاہر نظر آتی ہے، اس وقت وفد خلافت کے کاغذات یورپ کے سفر کردہ ملکوں کی اقتصادیات اور اکانمیکل عجائبات کا مجموعہ ہے۔ اب ہندوستان پہنچ کر ان تمام مختلف سکوں کو جن کا ہر روز نیا نرخ تھا، روپیوں کی شکل میں لاکر حسابات کو درست کرنا ایک دوماہ کا کام نہ تھا۔

اس پر بھی ہمارے رئیس وفد کا عزم یہ تھا کہ واپسی میں ۱۵-۲۰ دن جہاز میں بیٹھ کر ان تمام دقتوں کے بحر بیکراں کو یہیں طے کرلیا جائے گا، مگر جب جہاز میں بیٹھ کر اُن کاغذات کے صندوق کو کھول کر ترتیب دیا جانے لگا تو معلوم ہوا کہ اس آبی سمندر کا طے کرنا تو آسان ہے مگر یہ حسابی سمندر صرف ایک دوآدمیوں کی محنت سے قطع نہ ہوسکے گا، تاہم یہ پورا سفر وفد کے سکریٹری نے ان کاغذات کی ترتیب اور حسابات کی درستگی میں صرف کیا، خیال تھا کہ ساحل بمبئی پر پہنچ کر چند ہفتوں میں یہ کام ختم کردیا جائے گا، مگر یہ کسی کو نہیں معلوم کہ اس دن سے جس دن کی صبح کو وفد خلافت بمبئی کے ساحل پر لنگر انداز ہوا، رئیس وفد کو تحریک کی اشاعت، تقریر، تحریر، دورہ اور سفر میں ایک دن کی مہلت، اپنے ذاتی کاموں تک کی بھی نہ مل سکی، یہاں تک کہ لوگوں کو سن کر تعجب ہوگا کہ اسی زمانہ میں جب کہ اُن کی دولڑکیوں کی شادیاں ہوئیں تو ان کو اس تقریب میں بھی ایک دودن سے زیادہ شرکت کا موقع نہ ملا اور سمدھی کو بیگانوں کی طرح فقط اس فرض کا تماشہ دیکھنا پڑا اور ان سب پر مزید یہ کہ جامعہ ملیہ (نیشنل یونیورسٹی) کی بنیاد، معلموں اور پروفیسروں کی تلاش، نصاب کی تیاری، جامعہ کی تنظیم کا عظیم الشان کام ان کے سر آپڑا اور ان کو پورے تین مہینے تک پرنسپلی کے فرائض انجام دینے پڑے، جس کے درمیان میں ان کو کسی اور کام کے لیے چند لمحے بھی بمشکل میسر آسکتے تھے اور وہ بھی علی گڑھ کالج اور علی گڑھ ضلع کے حکام کے ساتھ ناگوار قضیوں کی تحریری اور تقریری جواب دہی میں صرف ہوئے۔

الغرض ۴/اکتوبر ۱۹۲۰ء سے لے کر ۱۴/ستمبر ۱۹۲۱ء تک یعنی ولایت کی واپسی سے یوم گرفتاری تک ان کو چنددن بھی ایسے نہ ملے جو اطمینان سے بیٹھ کر مابقی کاغذات کو دیکھ سکتے، اس ایک سال کا ایک ایک دن مختلف شہروں کے دورے، مختلف صوبوں کے سفر، ہزارہا مجلسوں، کانفرنسوں اور انجمنوں کی شرکت وتقریر اور لوگوں کے ہجوم ملاقات کی نذر رہا۔

لیکن ترتیب حسابات کا جو بوجھ ان پر تھا، وہ ان تمام مشغول ومصروف اور اہم ونازک حالات

میں بھی ان کو فراموش نہ ہوتا تھا، بنگال، بہار، آسام، بمبئی، ممالک متوسطہ اور مدراس کے تمام سفروں میں حسابات کے صندوق اور سکریٹری ان کے ساتھ ساتھ رہے اور ریلوں، اسٹیمروں میں، جائے قیام پر جہاں بھی کچھ تھوڑا سا وقفہ ان کو مل سکا سکون و آرام کو چھوڑ کر وہ اُن کاغذوں کو لے کر بیٹھ جاتے تھے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ دوروں اور سفروں میں ان کے ارد گرد خلقت کا کس قدر ہجوم ہوتا تھا، ملاقاتیوں کی کس قدر کثرت ہوتی تھی، دن بھر میں ان کو کتنی تقریریں کرنی پڑتی تھیں، کتنے مضامین اور پیامات لکھوانے پڑتے تھے کہ اٹھنا بیٹھنا، کھانا، پینا مشکل تھا، مگر قوم کو اپنے رئیس وفد کے دل و دماغ پر ناز کرنا چاہیے کہ ان مشکلات و عوائق و موانع انبار کے باوجود انہیں پراگندہ اور منتشر ایام میں حسابات کی ترتیب کا آدھے سے زیادہ کام وہ انجام دے چکے تھے کہ دفعتہً ۱۴ر ستمبر ۲۱ء کو ان کی گرفتاری پر ان کی اس سخت مصروفیت و مشغولیت کا مجبوراً خاتمہ ہو گیا، ناچار ان کے لائق سکریٹری حسن محمد حیات صاحب نے اس ادھورے کام کو پورا کرنا شروع کیا اور بالآخر آج یہ اس قابل ہوا کہ آپ کے سامنے پیش کیا جا سکے۔

وفد خلافت کی عظمت و اہمیت: وفد خلافت کا انگریزی نام ''انڈین خلافت ڈیلیگیشن'' تھا، وہ ہندوستان سے نہ صرف ۷ کروڑ مسلمانوں کی زبان بن کر گیا تھا، بلکہ جیسا کہ لوکمانیہ تلک آنجہانی نے وفد خلافت کو رخصت کرتے ہوئے کہا تھا، وہ متحدہ ہندوستان کی طرف سے پیام لے کر فرنگستان گیا تھا اور حقیقت میں وہ یورپ کی سرزمین میں متحیر، خاموش، ساکن لیکن مضطرب القلب دنیائے اسلام کے جذبات و احساسات کا ترجمان تھا۔ اس طرح یہ وفد خلافت دنیائے تاریخ کا ایک انقلابی واقعہ، مشرق کی طرف سے مغرب کے مظالم کے خلاف پہلی تنبیہی صدا، توحید کی جانب سے تثلیث کو ندائے رجز، بلکہ پوپ آنجہانی نے وفد خلافت کے جواب میں کہا کہ وہ مذہب کی طرف سے الحاد کو اور روحانیت کی طرف سے مادہ پرستی کو اعلان جنگ تھا۔

ایک ایسے اہم شاندار اور عظیم المطالب وفد کو جس عظمت، وقار، متانت، بلندی نظر اور رکھ رکھاؤ کی ضرورت تھی وہ محتاج بیان نہیں اور پھر ایسے ملکوں میں جہاں ظاہر بینی اور ظاہر پرستی ہی زندگی کا مذہب ہو، جہاں بدحیثیت اور بدجمال کو سوسائٹی میں داخل ہونے کا حق نہیں، جہاں انسان کی ظاہری حالت اس کی اندرونی عظمت کا معیار سمجھی جاتی ہے، جہاں اس کے قول و گفتار کی اہمیت کا اس کے ظاہری پوزیشن سے اندازہ لگایا جاتا ہے، جہاں غربا کو امرا کے طبقہ سے ملنے اور عرض حال کرنے کی

اجازت نہیں، جہاں چھوٹے درجہ اور کم حیثیت طریق سے رہنے والوں سے ملنا جلنا ان کے پتہ سے مراسلت کرنا، ان کو اپنے یہاں مدعو کرنا یا ان کے یہاں مدعو ہونا، معیار شرافت کے خلاف ہے۔

ان حالات کو پیش نظر رکھ کر وفد خلافت کو یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ ۳۲ کروڑ ہندوستانیوں اور ۴۰ کروڑ مسلمانوں کا نمایندہ ہے، وہ مشرق کا پیام امن لے کر مغرب کے پاس آیا ہے، وہ توحید کے شرائط صلح کو تثلیث کے کانوں تک پہنچانا چاہتا ہے، وہ دنیائے اسلام کا پیغام وفیصلہ عالم عیسوی کے گوش گذار کرنے آیا ہے، وہ مذہب وحق پرستی کی جانب سے الحاد و مادہ پرستی کے سامنے پہلی صدائے تنبیہ ہے، وہ ممالک اتحادیہ کو چھوٹے طبقہ سے لے کر بڑے طبقہ تک سب سے کچھ کہنا اور ان سے کچھ سننا چاہتا ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ کم از کم اس سے کمتر حیثیت میں نہ رہتا، جس حیثیت میں اس اہمیت کے وفود سرزمین یورپ میں رہتے ہیں یا اس وقت رہ رہے تھے۔ جس وقت ہم یورپ پہنچے ہیں، حسب ذیل وفود وہاں موجود تھے:

مصری قومی وفد، حجازی وفد، البانی وفد، جارجین وفد، آذر بائیجانی وفد، اسلامی قازانی وفد۔ یہ وفود جس حیثیت اور پوزیشن سے رہتے تھے، ان میں سے اکثر وفود سے ہمارے رہنے سہنے کی پوزیشن کم درجہ تھی، ہم متوسط ہوٹلوں میں قیام کرتے تھے۔ انگلستان میں پہلے کرزن ہوٹل میں جا کر ٹھہرے، جہاں پر بمشکل جگہ ملتی تھی، اس کے بعد رایل کورٹ ہوٹل میں جا کر ٹھہرے، جو لندن کا بہت معمولی ہوٹل ہے، پھر ہوٹلوں کا قیام گراں دیکھ کر ایک پرائیویٹ مکان میں منتقل ہو گئے، وہ بھی گراں نظر آیا تو البرٹ ہال مینشین میں ایک مستقل مکان (فلیٹ) کرایہ پر لے کر رہے، فرانس میں ویگر ہوٹل، رنجینیا ہوٹل اور اٹلی میں گرینڈ ہوٹل اور ہوٹل کوئریئل میں قیام رہا، ہر سیّاح یورپ جانتا ہے کہ یہ ان ملکوں کے متوسط ہوٹل ہیں حالانکہ اسی زمانہ میں دوسرے اسلامی وفود اپنے مقاصد کی اہمیت کے لیے بڑے بڑے ہوٹلوں میں مقیم تھے۔ مصری قومی وفد جو سعید پاشا کے زیر سیادت تھا ان ہوٹلوں میں قیام کرتا تھا جو کروڑ پتی مہاجنوں اور شہزادوں کا قیام گاہ تھا۔ انگلستان میں کارلٹن، سیوائے اور رٹز میں اور پیرس میں کلیرج اور رٹز میں ٹھہرتا تھا، غریب حجازی عربوں کا ڈیلیگیشن انگلستان میں ''کارلٹن'' میں اور پیرس میں مستقل فلیٹ لے کر رہتا تھا۔

یونانی ڈیلیگیشن جن کے مقابلے کے لیے ہم بھیجے گئے تھے وہ ''رٹز'' میں مقیم تھا، جو یورپ

بھر میں سب سے بڑا اور گراں ہوٹل ہے۔ یہ تمام ہوٹل دولت مندوں، شہزادوں، مہاجنوں اور بڑی بڑی سلطنتوں کے نمایندوں کی جائے قیام ہیں۔ آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہم نے افراط وتفریط کے بیچ میں اعتدال کا راستہ اختیار کیا اور اتنا بھی صرف اس لیے ہوا تا کہ ڈیلیگیشن کے اعتبار میں فرق نہ آئے، اسلام اور ہندوستان کی بے وقعتی نہ ہو اور اعلیٰ پوزیشن کے لوگوں کو ان ہوٹلوں کے پتہ سے مراسلت کرنے اور وہاں آنے جانے اور دعوت قبول کرنے میں جھجک نہ ہو۔

وفد کے ارکان کارکن اور عملہ: ہندوستان سے ہم چار آدمی جہاز پر روانہ ہوئے، مولانا محمد علی، مسٹر سید حسین، حیات صاحب اور خاکسار، کچھ دنوں کے بعد مولوی ابوالقاسم صاحب کا اضافہ ہوا اور اس کے بعد شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی آئے، خلافت وفد اور ''مسلم اوٹ لک'' کے دفتروں کی نگرانی اور ترتیب واہتمام کے لیے عبدالرحمٰن صاحب صدیقی (اوکسفورڈ) ہمارے ساتھ قیام کرنے پر رضا مند ہوئے۔ ''مسلم اُوٹ لک'' کی ترتیب اور اڈیٹری اور محمد علی صاحب کی تحریری اعانت کے لیے شعیب قریشی صاحب (حال اڈیٹر ''نیو انڈیا'' و ''انڈپنڈنٹ'') کو محمد علی صاحب نے مجبور کر کے اپنے ساتھ رکھا، حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں صاحبوں کی ذات سے ڈیلیگیشن کے کاموں میں ایسی عملی امدادیں ملیں جن کا شکریہ ادا کرنا ہمارا فرض ہے، حالانکہ ان کو اس کے سبب سے اپنا ایک پورا ٹرم (دورۂ تعلیم) قربان کرنا پڑا اور مزید قیام کے لیے ان کو زائد روپئے کی فکر کرنی پڑی اور وطن کامیاب لوٹ کر آنے کی آرزو میں چھ سات مہینہ کا وقفہ ان کو گوارا کرنا پڑا۔

معزز کارکنوں میں کبھی کبھی مسٹر پکتھال (حال اڈیٹر بمبئی کرانیکل) اور مسز سروجنی نائیڈو اور اکثر مسٹر بارنیمن (سابق اڈیٹر بمبئی کرانیکل) اور عبدالقیوم ملک صاحب اڈیٹر مسلم اوٹ لک اور محمد حبیب صاحب بی۔اے (اوکسفورڈ) کی معیت کا شرف بھی ڈیلیگیشن کو حاصل رہا۔ اس کے علاوہ ہندوستانی احباب اور طلبہ بھی اپنی مہربانی ومحبت سے کبھی کبھی ہم کو سرفراز کیا کرتے تھے۔ ان سے دفتر کے اور دوڑ دھوپ کے مختلف کام لیے جاتے تھے۔ فرانس میں موسیولوکونیر، موسیو دالرم، میدموزل پورووا اور ڈاکٹر رشاد ہمارے دست وبازو تھے۔ اٹلی میں غالب کمال بے (سفیر ترکی)، ڈاکٹر عبدالحمید سعید (مصر)، نوری عزیز (ترک تاجر)، شیخ خالد (طرابلسی) وغیرہ ہمارے اعوان ومددگار تھے۔

تنخواہ دار کام کرنے والوں اور نوکروں میں ایک ٹائپسٹ اور جب زیادہ کام ہوا تو دو ٹائپسٹ

اور ایک دفتر وڈاک کا ملازم، ایک باورچن، ایک مددگار باورچن اور جھاڑ اور صفائی کے لیے ایک ملازمہ، اتنے آدمی شامل تھے، اکثر نامہ نگاروں، مختلف اخبار کے نمایندوں، سیاسی پارٹیوں کے ارکان، پارلیمنٹ کے ممبروں، اہم اور بااثر اشخاص کو بھی مدعو کرنا ضروری ہوتا تھا اور جب پیرس اور روما میں جانے کا اتفاق ہوتا تو اکثر اپنے ترک، عرب اور دیگر مسلمان بھائیوں کی میزبانی کی عزت بھی حاصل ہوتی تھی۔

یورپ کی گرانی: یورپ کی گرانی جنگ سے پہلے ہی کیا کم تھی اور جنگ کے بعد تو قیاس وشمار سے باہر ہوگئی تھی، جس کا اندازہ لگانا اور لوگوں کے لیے بہت مشکل ہے، جن کو ممالک یورپ کے سفر کا اتفاق نہیں ہوا ہے۔ ہندوستانیوں میں سے جنھوں نے بمبئی دیکھی ہے اور وہاں کے مصارف کا ان کو تجربہ ہے وہ ایک ہلکا سا خاکہ یورپ کے مصارف اور گرانی کا کر سکتے ہیں، وہاں مکانات کا کرایہ، ہوٹلوں کا بل، نوکروں کی تنخواہ ماہوار نہیں بلکہ ہفتہ وار کے حساب سے ادا کرنا پڑتی ہے، متوسط ہوٹلوں (مثلاً کرزن ہوٹل) کے چاروں کمروں اور ایک دفتر اور اطلاعات کے کمرہ کے لیے ایک ہفتہ میں ۵۵ پونڈ صرف قیام کے ادا کرنے پڑے اور ۲۸ پونڈ کھانے کے۔ یہ خرچ اس قدر گراں نظر آیا کہ جلد از جلد کسی پرائیویٹ مکان میں رہنے کا انتظام مناسب معلوم ہوا، چنانچہ ایک پرائیویٹ مکان کے خاندان میں ''بلگریویا ہاوس'' میں اُٹھ گئے، وہاں ۵۳ پونڈ فی ہفتہ صرف رہنے کے دینے پڑے، اس کو بھی چھوڑ کر ایک مستقل اپنا مکان (فلیٹ) البرٹ ہال منیشن میں لیا جس کا کرایۂ قیام ۱۸/ پونڈ فی ہفتہ تھا۔ چنانچہ یکم اپریل ۱۹۲۰ء سے یکم ستمبر ۱۹۲۰ء تک اسی مکان میں ہمارا قیام رہا اور کھانے کا انتظام بھی گھر ہی پر کیا گیا۔ روزانہ ۸ آدمی سے لے کر ۱۲/ آدمی تک کی اوسط ہمارے مطبخ کے مستقل شرکا کی رہتی تھی اور جب کبھی مہمانوں کے ورود کی عزت ہوتی تھی تو یہ تعداد ۱۵-۱۶ تک بڑھ جاتی تھی، تاہم اس انتظام سے ہوٹل کی بہ نسبت کھانے کے مصارف بھی کم ہو گئے۔

ایک ٹائپسٹ کی تنخواہ ہندوستان میں چالیس پچاس روپے ماہوار ہے لیکن انگلستان میں ۴ پونڈ یعنی ۶۰ روپیہ فی ہفتہ یعنی ۲۴۰ روپے ماہوار ہے، ہندوستان میں ۱۰-۱۲ روپئے میں اچھے ملازم ملتے ہیں، وہاں کم وبیش ایک پونڈ فی ہفتہ یا ساٹھ روپے ماہوار تنخواہ ہوتی ہے۔ کھانے کی مد میں صرف ایک حساب سن لیجیے کہ ایک انڈے کی قیمت ۵ آنہ ہے، پیرس میں تو اور غضب ہے، پانی جو ہر جگہ مفت ہے مگر وہاں عموماً کھانے کے ساتھ ہوٹلوں میں شراب پیتے ہیں اور متقی لوگ ''سوڈا لیمنڈ'' وغیرہ، اس سے

بھی زیادہ ہم جیسے ''دینداروں'' کو اپنی دینداری کی قیمت میں سادہ معدنی پانی کی قیمت ۴ (آنہ) بوتل ادا کرنا پڑتی تھی، کیوں کہ اہل پیرس نے مشہور کر رکھا ہے کہ وہاں معمولی سادہ پانی مضر صحت ہے اور اس کا پینا قابل احتراز ہے۔

آپ کسی ہوٹل میں کھانا کھانے گئے، دربان نے جھک کر شیشہ کے بند دروازے کو کھولا اور جھک کر تعظیم دی، آگے بڑھ کر کلوک روم ہے جہاں آپ اپنا لبادہ اتاریں گے اور چھڑی چھتری رکھیں گے، وہاں کے ملازموں نے آپ کو اس کام میں مدد دی، یہاں سے نکل کر آپ میز پر جا کے بیٹھے، خانساماؤں نے آپ کو کھانا کھلایا، فراغت کے بعد جب آپ نے کھانے کا حساب چکایا تو جس قدر ہوٹل کا چارج ہوگا اس کا دسواں حصہ آپ پر فرض ہے کہ خانساماؤں کو جبری انعام (ٹپ) عطا کریں اور اس کے جواب میں شکریہ جناب کی سند خوشنودی حاصل کریں، یہاں سے نکل کر محاسب کے پاس گئے، ان کے پاس کچھ داد اخلاقاً چھوڑ یے، کلوک روم میں اپنے کوٹ اور چھڑی یا چھتری کی واپسی کے لیے گئے، اس قلیل مدت میں اپنی چیزوں کو غیروں کے دست برد سے حفاظت اور پروٹیکشن کا خرچ ادا کرنا لازم ہوا، پھر دربانوں کی خوش اخلاقی کا معاوضہ ضروری ہے۔ غرض اس طرح کھانے کے علاوہ یہ بالائی مصارف بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ آپ جب کسی گاڑی، موٹر ٹیکسی پر بیٹھیں گے تو کرایہ کے علاوہ ڈرائیور کو ۶ پنس دینا بھی کرایہ کا ایک جز ہے۔

مغربی سیاحوں کو جس قدر مشرقی ممالک کے ملازموں کی ''بخشیش'' پر غصہ اور تعجب آتا ہے، مشرقی سیاحوں کو مغربی ممالک کے ملازموں کی (ٹپ) پر اس سے کم غصہ اور تعجب نہیں آتا۔

سفر کا حال یہ ہے کہ براعظم یورپ کی تیز ریل گاڑیوں کو (کنٹنٹل اکسپریس ٹرینوں) میں فرسٹ اور سکنڈ دو ہی درجے ہوتے ہیں لیکن سکینڈ کلاس میں سونے کی جگہ نہیں ہوتی، اس لیے بڑے سفروں میں سونے کے لیے فرسٹ کلاس میں جانے سے چارہ نہ تھا، قلیوں کو آپ دو چار آنے دیتے ہیں، وہاں چار روپیوں سے کم نہیں لیتے۔ ہم لوگوں کے سامان کے اتارنے چڑھانے کی مزدوری ۵ کے قریب لیتے تھے، ٹیکسی کا کرایہ پہلے کچھ کم تھا لیکن ہمارے جانے کے بعد ۵۰ فی صدی کا اضافہ ہوگیا اور ادھر آپ نے ٹیکسی پر قدم رکھا اور وہاں ۱۰ پینس پر میٹر کی سوئی آ گئی، غرض وہاں کھانا پینا، چلنا، پھرنا، اترنا چڑھنا، بولنا چالنا، ہر چیز ''قیمت طلب'' ہے۔

دوسرے تبلیغی مصارف: ڈاک کا خرچ آپ دو پیسے اور اب ایک آنہ لفافہ دیتے ہیں، وہاں ۳؍ ہے، تار کا خرچ یہاں ایک آنہ لفظ ہے، وہاں سے ہندوستان ضروری تار کے لیے شاید ڈیڑھ شلنگ ۸؍ فی لفظ دینا ہوتا تھا، جب کبھی جلسہ کرنا ہوتا تھا تو کوئی ہال چند گھنٹوں کے لیے کرایہ پر لینا پڑتا تھا، جس کے لیے ۲۵۔۳۳ پونڈ ادا کرنے ہوتے تھے، جو لوگ اس کا انتظام کرتے تھے، ان کو اشتہارات کی چھپائی، تقسیم، اخبارات میں اطلاع، روشنی اور کرسیوں کا کرایہ، لوگوں کو بلانے کا خرچ دینا پڑتا تھا، چنانچہ کنگس وے ہال کے جلسوں میں ۳۳ پونڈ ہال کا کرایہ تھا اور ڈھائی سو، تین سو پونڈ ان مصارف بالا کے لیے ادا کرنے پڑتے تھے، چنانچہ کنگس وے اور کیکسٹن ہال کے ایک ایک جلسہ کا خرچ تین سو، سوا تین سو پونڈ ہوتا تھا، مانچسٹر میں ایک جلسہ ہوا اور دو سو پونڈ خرچ ہوئے۔

''مسلم آوٹ لک'' جو پہلے سے جاری تھا، جب ہم وہاں پہنچے ہیں تو کم آمدنی کے باعث نزع کی حالت میں تھا، ہم کو اپنی تبلیغ اور ضروری مضامین اور اطلاعات اور جلسوں کی کارروائیوں اور خبروں کی اشاعت کے لیے اخبارات کی ضرورت تھی، انگلستان کے مشہور و ممتاز اخبارات نے اور خصوصاً ٹائمز نے جو مخالفت کا رویہ اختیار کیا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مضامین تو مضامین ہمارے اشتہارات وہ قیمتی معاوضہ پر بھی شائع نہیں کرتے تھے۔ لے دے کے مزدور طبقہ کے اخبارات ''ڈیلی ہیرالڈ''، ''فارن افیرس'' وغیرہ سے معاملہ کرنا پڑا، کانگریس کے اخبار ''انڈیا'' کو مدد دے کر اپنے ساتھ لیا۔ ''مسلم آوٹ لک'' کے مصارف طبع و اشاعت کا سارا بار اٹھایا، ''مسلم اوٹ لک'' پر کم و بیش ۳۰ پونڈ فی ہفتہ کا خرچ تھا اور کبھی حجم بڑھ جاتا تو ۲۵۔۳۰ سے ۴۰۔۵۰ پونڈ تک خرچ ہو جاتے تھے، تقریباً چھ سات مہینے اس خرچ کے ساتھ ہم لوگوں نے اس کو نکالا۔

''ڈیلی ہیرالڈ'' یا ''فاران افیرس'' میں ہمارے مضامین اور اعتراضات کے جوابات چھپتے تھے، اشتہارات نکلتے تھے۔ ''ڈیلی ہیرالڈ'' کے نصف کالم سے بھی کم کے اشتہار کے لیے ۸۵ پونڈ دینے پڑتے تھے۔ ''فارن افیرس'' کا ایک خاص خلافت نمبر نکلوایا تھا۔ اس کو ۵۰ پونڈ دیے۔ شاید ہندوستان میں ہمارے احباب اس کو بہت زیادہ رقم خیال کریں گے لیکن اسی کے مقابل میں جب آرمنی اور یونانی اشاعت (پبلکیشن) اشتہارات اور پروپیگنڈے کے مصارف کو آپ دیکھتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ ان کے لاکھوں کا ہم ہزاروں سے اور ان کے ہزاروں کا ہم سیکڑوں سے مقابلہ کر رہے تھے۔

یورپ میں پروپیگنڈے کی ایک عام صورت مضمون نگاروں، نامہ نگاروں اور خبر نویسوں کی خاطر مدارت اور میزبانی ہے۔ کسی بڑی اہم آمد پر اسٹیشن پر اترنے کے ساتھ نامہ نگاروں، انٹرویو کرنے والے اور فوٹو گرافوں کا اژدہام ہوجاتا ہے۔ پھر آپ اپنی خواہش اور انتخاب کے مطابق مختلف بڑے بڑے اخبارات کے اڈیٹروں، نامہ نگاروں، خبر نویسوں کو دعوت دیں گے اور اپنے معاملہ کے متعلق گفتگو کریں گے، ان کو انٹرویو میں اپنا بیان لکھائیں گے اور خالص علمی وسیاسی خدمت کے لیے کچھ نہ کچھ اعزازی خراج آپ پر واجب ہوگا۔ دو چار اخبارات کے وقائع نویسوں کو اپنے ساتھ لگائے رکھنا پڑے گا جو وقت بوقت آپ کے کاموں کے متعلق اخبارات میں خبریں چھپوا دیا کریں۔ ایک دو اخبارات کے "شیئر" خرید کر کے ان کا حصہ دار بننا پڑے گا کہ یہ اعزازی معاوضہ کی صورت ہے۔

غرض یورپ کی اقتصادی تجارت کے علاوہ سیاسی تجارت بھی کچھ کم آمدنی کا ذریعہ نہیں اور غریب مشرقی وفدوں کو ان کی اعانت طلبی سے چارہ نہیں۔

ہمارے جانے سے پہلے سر آغا خان مسٹر ایچ۔ ایم۔ اصفہانی اور شیخ مشیر صاحب قدوائی نے لندن اور پیرس میں "اسلامک انفارمیشن بیورو" قائم کرائے تھے اور ان کے لیے کچھ رقم بھی جمع کی تھی، مگر جب ہمارا وفد پہنچا یہ دونوں بیورو تقریباً دیوالیہ ہو چکے تھے۔ فرانس کے مسلم بیورو کے صدر شریف پاشا تھے، جو مالدار آدمی تھے مگر وہ کنارہ کش ہو گئے تھے، چونکہ ان دونوں بیوروں نے حقیقت میں بہت کام انجام دیے تھے اور دے رہے تھے اور دے سکتے تھے، اس لیے ان کی امداد لازم تھی، لندن بیورو کے ہفتہ وار اخبار مسلم آوٹ لک کی چھپائی اور اشاعت کا تمام بار ہمارے سر رہا۔ پیرس اسلامک بیورو اور اس کے پانزدہ روزہ اخبار "ایکودی اسلام" (صدائے اسلام) کے بیشتر مصارف وفد خلافت کے سرمایہ سے ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ چلتے ہوئے بھی ڈاکٹر رشاد (اڈیٹر ایکودی اسلام) کو اس کے لیے کچھ دے کر آنا ضروری تھا۔

اس کے علاوہ انگریزی اور فرنچ زبانوں میں رسائل اور مضامین کے طبع واشاعت کا سلسلہ تھا، اہم مضامین خلافت، اسلامی ممالک کی کیفیت، سمرنا اور تھریس کے مظالم کی رودادیں اور مردم شماری، جلسوں کی تقریریں اور ہندوستانی جلسوں کی رودادیں، پمفلٹ اور رسالوں کی صورت میں چھپوا کر، اخبارات میں، ارباب سیاست کے پاس، پارلیمنٹ کے ممبروں کی خدمت میں بھیجے جاتے تھے اور

لوگوں میں تقسیم کیے جاتے تھے۔

ڈنر: یورپ کے کاروبار زندگی میں فرصت کے اوقات بہت کم ہیں، رات میں کھانے کے بعد جو وقت ہے وہ کھیل تماشوں کے لیے مخصوص ہے، وہاں اہم معاملات پر گفتگو اور مطمئن ملاقات کا وقت صرف رات کے کھانے (ڈنر) کا وقت ہے۔ اس وقت کا کھانا وہ لوگ بہت دیر میں وقفہ کے ساتھ اور بہت ٹھہر ٹھہر کر کھاتے ہیں۔ یہ کھانا عموماً احباب اور اعزہ کے لطف صحبت اور پر مذاق گفتگوؤں کے درمیان میں ڈیڑھ دو گھنٹے میں ختم ہوتا ہے۔ تمام یورپ میں باہمی گفتگو، ملاقات اور مبادلۂ خیالات کا یہی بہترین وقت ہے، جو لوگ کسی سے مطمئن ملاقات کرنا چاہتے ہیں وہ عموماً اس کو اسی موقع پر آنے کی تکلیف دیتے ہیں۔

اسی بنا پر تبلیغ و اشاعت کی عام صورت یہ ہے کہ اہم اشخاص اور جماعتوں کو شام کے کھانے (ڈنر) پر بلایا جائے اور میز پر بیٹھ کر اپنے معاملہ پر ان سے مشورہ، گفتگو اور مبادلہ خیال کی جائے، ہم لوگوں کو بھی اس سے کام لینا پڑا۔ بہت کم ہفتے ایسے گذرتے تھے، جس میں ایک یا چند اشخاص کو ڈنر دینا نہ پڑتا تھا، کہ اس کے سوا ان سے گفتگو اور مبادلہ خیال کی کوئی صورت نہ تھی اور اس سے بھی ان کا احسان ہوتا تھا کہ وہ اس کو قبول کرتے تھے، کبھی پارلیمنٹ کے ممبروں کو، کبھی لیبر پارٹی کے ممبروں کو، کبھی کسی اخبار کے نامہ نگار کو کبھی یونیورسٹی کے پروفیسروں کو کبھی ارباب سیاست کو ڈنر پر مدعو کرنا ہوتا تھا اور باتوں باتوں میں ان کو اپنا مقصد سمجھایا جاتا تھا، ان کے شکوک کو دور کیا جاتا تھا اور اپنی حمایت و اعانت کے لیے ان کو آمادہ کیا جاتا تھا۔

اس قسم کے اخراجات پیرس میں زیادہ پیش آئے، وہاں ایک دفعہ ۳۰ یا ۴۰ آدمیوں کو یعنی پیرس میں جس قدر ترکوں کے حامی یا مشرقی معاملات سے دلچسپی رکھنے والے تھے، سب کو مدعو کیا اور کھانے کے بعد "حمایت اسلام" کی ایک نئی مجلس کی بنیاد ڈالی گئی، اس کے بعد روزانہ ایک شعبہ کے اکابر کو بلا بلا کر دعوت دی گئی اور ان کو کھانے کی میز پر بیٹھا کر اپنا مقدمہ سمجھایا گیا اور ان کو اپنا ہمدرد بنایا گیا۔

ان لوگوں کے علاوہ پیرس اور اٹلی میں ترکوں، عربوں، مصریوں، ایرانیوں، روسی مسلمانوں، ٹیونسیوں، البانیوں وغیرہ کی بڑی جماعت ہے۔ ان سے تعارف حاصل کرنے کے لیے اور ان کو ہم آہنگ بنانے کے لیے اور ان ممالک کے مسلمانوں سے ہندوستان کا رشتۂ اتحاد جوڑنے کے لیے ان کو وقتاً فوقتاً

میز پر یکجا کرنا پڑتا تھا اوران میں کام کی تبلیغ کی جاتی تھی۔اس ذریعہ سے ممالک اسلامیہ میں مسئلہ خلافت اور ہندوستان کے کارناموں کی اہمیت سمجھانے میں بڑی مدد ملی اوراس اتحاد اسلامی کے سنگ بنیاد قائم کرنے کا بہترین موقع میسر آیا،جس سے بڑی بڑی امیدیں اورتوقعات قائم ہیں،سعد پاشا زاغلول کے مصری وفد اورحجازی عربوں کے ڈیلیگیشن اورتونسی وفد کو اپنے یہاں کئی دفعہ بلایا،اٹلی میں ترکوں، مصریوں اورطرابلسیوں کو ڈنر دیے۔

الغرض اس تمام تفصیل سے یہ معلوم ہوگا کہ وہاں کام کا بڑا ذریعہ ڈنر اور دعوت ہے۔اس لیے آپ کو وفد حسابات کی تمام مدوں میں سے اس مد میں سب سے زیادہ رقم نظر آئے گی،(بہ شمول کرایہ مکان وہوٹل اورمتفرقات [دھلائی،حجامت] نوکروں کی تنخواہ،ہوٹلوں کی ٹپ وضروریات اتفاقی ارکان وفد وغیرہ)اوردفتر خلافت میں ہوٹلوں کے حسابات کے بل اوررسیدیں آپ کو ملیں گی۔جن میں سے کھانے کے ہر حساب پر جہاں زیادہ صرف ہوا ہے،محمد علی صاحب کے خود اپنے قلم سے وجوہ زیادتی اورتعداد واسمائے مہمانان کی تفصیل لکھی ملے گی۔

مقامات سفر: جہاز،ریل اورسواری کی گاڑیوں کی گرانی کرایہ کے واقعات ہم اوپر لکھ چکے ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ ہمارا سفر صرف بمبئی سے لندن اورلندن سے بمبئی تک محدود نہیں ہے۔ہم کو اغراض خلافت،وزرا اورمدبرین کی ملاقات،جلسوں میں تقریریں کرنے اوراہم ترک وعرب اشخاص سے ملنے کے لیے انگلستان،فرانس،سویزرلینڈ اوراٹلی کا پورا دورہ کرنا پڑا ہے۔ انگلستان سے فرانس اورفرانس سے انگلستان ہم کو پانچ دفعہ آمد ورفت کے دس پھیرے آنا جانا پڑا۔ انگلستان میں ووکنگ،کیمبرج،اوکسفورڈ،اڈنبرا،سواتک،مانچسٹر،اسکاربرد،گلاسکو،کارڈف میں جاجا کر جلسوں کو خطاب کیا۔اٹلی میں،روم پوپ سے،منیپلز غالب کمال بے سے اورمیلان امیر فیصل سے ملنے کے لیے گئے۔سویزرلینڈ میں جینوا کی تیسری سوشیالسٹ کانفرنس میں شرکت کی اورطریطے جاکر جلاوطن ترک وعرب ومصری احرار اسلام سے جاکر ملاقات کی۔

دوا معالجہ: یہ بھی ایک مد آپ کو حسابات میں ملے گی۔خلافت وفد کا وہ بدقسمت رکن جو سب سے زیادہ اس مد کا ممنون احسان ہوا ہے،وہ میری ہی ذات ہے،جہاز پر قدم رکھنے کے ساتھ میری صحت نے مجھے جواب دینا شروع کیا،چنانچہ اب تک میں اس بیماری سے ابھرا نہیں،محلہ کے معمولی ڈاکٹروں

نے ۱۰ شلنگ اور شہر کے بڑے بڑے ڈاکٹروں نے تین پونڈ سے لے کر ۵ پونڈ تک چارج کیا۔ فرانسیسی ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق ویشی کے صحت گاہ میں ۲۱ روز میں نے قیام کیا، غرض اس مد میں ڈاکٹروں کی فیس، دوا کا خرچ اور علاج کے دوسرے متفرق مصارف شامل ہیں۔

خرید و تیاری پارچہ جات اور متفرق مصارف ذاتی وغیرہ: یہ بات نہایت صفائی سے عرض کرنے کے لائق ہے کہ جن لوگوں کو آپ نے انتخاب کر کے بھیجا تھا، ان میں کوئی دولت منداور صاحب جائداد نہ تھا۔ اس لیے ان کو اپنے اتفاقی ذاتی مصارف کے لیے کچھ نہ کچھ کبھی کبھی لینا پڑتا تھا۔ بعض ایسے ارکان تھے جن کے پاس یورپ کے سرد موسم اور رسم و رواج کے مطابق سامان سفر اور کپڑے نہ تھے۔ پائتابے، رومال کا لزوم، ایسی چیزیں ہیں جن کی ضرورت یوں بھی پڑتی ہے اور یورپ کے ملکوں میں اور بھی زیادہ پڑتی ہے۔ محمد علی اور سید حسین صاحب اکثر انگلستان آئے گئے تھے۔ ان کو کپڑوں کی زیادہ ضرورت پیش نہیں آئی، باقی ارکان نے آٹھ مہینوں میں کل ڈھائی ہزار روپیہ اس مد میں خرچ کیا۔

مصارف کی کل میزان: حسابات میں مصارف کی تمام مدیں دی ہوئی ہیں اور ہر ایک مد کی علاحدہ علاحدہ میزان بھی ہے۔ مرکزی خلافت سے وفد خلافت کو شروع سے آخر تک کل ایک لاکھ پچیس ہزار آٹھ سو چالیس روپیہ تین پائی مختلف تاریخوں میں دیے گئے اور علاوہ ازیں دوسرے اتفاقی ذرائع امداد سے چار ہزار چار سو اکیس روپے سات آنے ۹ پائی ولایت میں ملے۔ کل ایک لاکھ ساٹھ ہزار کے قریب یہ رقم پہنچتی ہے۔ اس میں بیس ہزار تین سو پچانوے سمرنا فنڈ کے تھے جو غالب کمال بے (سفیر ٹرکی متعین اٹلی) کے حوالے کیے گئے اور پندرہ ہزار دو سو چھیانوے "ڈیلی ہیرالڈ" اخبار کے حصہ کی خریداری میں خرچ ہوئے۔ باقی تقریباً ۱۷۱۔۷ ۳۴ دفتر کو واپس کیے گئے۔ ۸۹۲ روپیہ ابو القاسم صاحب اور سید حسین صاحب کے ذمہ میں وفد کے سفر قیام، طعام اور کاموں پر صرف ہوئے۔

مصارف کا موازنہ دیگر وفود سے: یہ سوا لاکھ کے قریب روپے جو آٹھ مہینے کے انگلستان، فرانس، سویزرلینڈ، اٹلی کے کرایہ، جہاز و ریل، سفر، قیام، طعام تبلیغ و اشاعت و طباعت، و انعقاد مجالس و معاوضہ، مضامین و مہمانداری و میزبانی وغیرہ میں صرف ہوئے، ان کی یکجائی رقم شاید بعض حضرات جن کو یورپ کے وفود کے کاموں کا تخیل (آئیڈیا) نہیں شاید اندازہ سے زیادہ سمجھیں لیکن ہندوستان سے جن سیاسی وفود نے چند گذشتہ سالوں میں اسی قسم کے کاموں کے خاطر صرف انگلستان تک کا سفر کیا

ہے، ان کے اخراجات کی مجموعی رقم بھی اسی کے لگ بھگ ہے۔ اسی زمانے میں جو مصری قومی وفد یورپ میں کام کر رہا تھا وہ کم از کم ۱۴ ہزار پونڈ (دو لاکھ دس ہزار روپے) لے کر یورپ گیا تھا۔

سر ولیم ونسنٹ صاحب اور مطالبۂ حسابات وفد خلافت: تمام داستان میں سب سے پر اثر اور رقت انگیز وہ منظر ہے، جب سر ولیم ونسنٹ صاحب مرحوم ممبر گذشتہ ۱۱/ مارچ کی لجیسلیٹو اسمبلی میں غریب مسلمانوں کے حال زار سے متاثر اور بے چین ہو کر باچشم پُرنم اور بادل پرغم ایک درمند انسان کے پیکر میں نمودار ہوئے اور درد اور دکھ سے گلوگیر اور بھرائی ہوئی آواز میں انہوں نے اپنے ہی جیسے دیگر ''ہمدردان ملک'' اور ''دردمندان اسلام'' کے مجمع کو خطاب کر کے ایک ''خانہ ساز'' ریزولیشن دربارۂ رہائی علی برادران پر تقریر فرمائی۔ یہ تقریر اس قدر شریفانہ جذبات اور شریفانہ لب ولہجہ میں تھی کہ اس کے لفظ لفظ سے خطیب کا اعلیٰ کریکٹر اور بلند اخلاقی تخیل نمایاں تھا۔ انہوں نے اس تقریر میں، جو غلط بیانیوں اور مغالطوں کا ایک انبار ہے، محمد علی رئیس وفد خلافت پر یہ الزامات قائم کیے کہ: ۱۔ وہ بادشاہ اور ملک کے دشمن ہیں۔ ۲۔ انہوں نے اور ان کے رفقا نے غریب مسلمانوں کی جیبوں سے لاکھوں روپے زبردستی نکلوا کر لندن اور پیرس میں ان کو بے دریغ اڑایا جس کا نہ تو کوئی حساب رکھا گیا اور نہ اب تک شائع ہوا۔ ۳۔ انہوں نے اتحاد اسلامی اور پین اسلامزم پھیلا کر ہندوستان کی قومیت اور وطنیت کو نقصان پہنچایا۔

سر موصوف کی اس اخلاقی جرأت اور بہادری کی قیمت تو دنیا کی نگاہ میں اس وقت بڑھتی جب وہ اپنا حملہ اس وقت کرتے جب یہ شیر کٹھرے سے باہر تھے، یہ حالات اور واقعات تو سالہا سال سے سر موصوف کو بصیغۂ راز معلوم ہوں گے، مگر دنیا پر ان کو ظاہر کرنے کے لیے اس وقت تک کا انتظار کرنا جب حریف جواب دہی کے لیے سامنے موجود نہ ہو، شاید انگریزی فن جنگ کا کوئی کامیاب طریقۂ حرب ہوگا، مگر دنیا کی کتاب اخلاق میں اس کا نام وہی ہے جو عام زبانوں میں اس کا نام ہونا چاہیے، کشور ہند کے غیر ملکی وزیر داخلیہ کو اس کا تو بیشک حق حاصل تھا کہ وہ ان پر دشمن بادشاہ ہونے کا الزام قائم کرے، کیونکہ ابھی تک اس ملک کا قانون اس کی جنبش زبان کے نیچے ہے۔ لیکن دشمن ملک قرار دینے کا حق تو اس کو نہیں، جو اس ملک کی خاک سے پیدا ہے اور نہ جس کو اس کی خاک میں ملنے کی تمنا ہے کہ وہ اس ملک کی دوستی و دشمنی کے لطیف معنی کے احساس سے درماندہ اور عاجز ہے۔

غریب مسلمانوں کی جیبوں سے لاکھ سوا لاکھ روپے زبردستی وصول کر کے لندن اور پیرس میں

ان کو بے دریغ صرف کردینا کیا اس لیے سر موصوف کو پسند نہ آیا کہ ہندوستانیوں اور غریب مسلمانوں کی محنت کی دوسری کمائیوں کی طرح یہ روپے ان کی حکومت کے خزانۂ عامرہ میں کیوں جمع نہ ہوئے تاکہ ۳۶ کروڑ کی موجودہ بجٹ میں کمی کے لیے کچھ نہ کچھ سرمایہ تو ہاتھ آتا اور پھر وہ الٹ پلٹ کر ہندوستان اور انگلستان میں ان کے ہم وطن بھائیوں کی جیبوں میں منتقل ہوجاتا۔لیکن ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ وفد خلافت نے اپنی آمدنی کا ایک ایک پیسہ اسی مد میں صرف کردیا ہے،جس میں وہ خود اپنے حکم سے صرف کرنا پسند کرتے جیسا کہ حساب کی تفصیل سے انہیں خود تسلی ہوجائے گی۔بمبئی کی روانگی سے لے کر بمبئی کی واپسی تک جو کچھ صرف ہوا وہ انہیں کے وطن کے چھوٹے بڑے مختلف پیشہ وروں کے حصہ میں آیا۔

اس تقریر میں حساب کی عدم موجودگی اور عدم اشاعت کے متعلق،انہوں نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی نسبت دو میں سے ایک بات تسلیم کرنا پڑے گی، یا تو ان کا ''صیغۂ جاسوسی'' اس قدر منتظم اور مکمل ہے کہ ہر بات کی ان کو ''غلط اطلاع'' ضرور پہنچ جاتی ہے اور یا یہ کہ وہ ایک پیشین گوئی اور ملہم بالغیب ہونے کے مدعی ہیں، اگر یہ سچ ہے تو بیسویں صدی کا یہ سیاسی مدعی نبوت والہام اپنے دعوی کے ثبوت میں ماضی و استقبال کے دو معجزے بھی پیش کرسکتا ہے،ایک یہ الہام اور علم غیب کہ وفد خلافت نے سرے سے کوئی حساب نہیں رکھا۔اس کی تکذیب تو دفتر خلافت کے کاغذات اور اڈیٹر کی رپورٹ کررہی ہے اور دوسری پیشین گوئی حسابات کے عدم اشاعت کے متعلق بھی افسوس ہے کہ آج غلط ثابت ہورہی ہے۔شاید یہ سر موصوف کو یہ خیال ہو کہ یہ سوا لاکھ روپے ان کے قوم و ملک کے اعلی کریکٹر اور بلند سولزیشن کی ''برہنہ تصویروں'' کو دیکھنے میں زیادہ تر صرف ہوئے۔اور اس طرح ہندوستان میں انگلش پر سٹیج کو صدمہ پہنچا تو ہم یہ بھی اطمینان دلاتے ہیں کہ یہ روپے نہ تو انگلستان کے تھیٹروں اور شراب خانوں میں اور نہ رقص خانوں میں اور نہ ہالوں کی محفلوں میں صرف ہوئے کہ انہیں چند ہندوستانیوں کی نظروں میں خجالت کھینچنا پڑے۔

سر موصوف نے غریب مسلمانوں کے سوا لاکھ کی بربادی پر بڑا افسوس کیا ہے۔غایت رحم دلی سے کیا غریب مسلمان بھی یہ دریافت کرسکتے ہیں کہ ان کے قرضۂ جنگ کے کروڑوں روپے کہاں کہاں اور کن کن مدوں میں خرچ ہوئے ۔ ہر سال ان کی آمدنی کے کروڑوں روپے کس طرح بے دریغ صرف کیے جاتے ہیں۔سرحد کے پٹھانوں کی آزادی لوٹنے،عربوں کو ترکوں سے جدا کرنے،حجاز کو نجد اور نجد کو حجاز سے الگ کرنے،عراق اور شام کے قبائل کو جادۂ استقامت سے ہٹانے کے لیے کس قدر رقم صرف

میں آئی ہے۔ یورپ کی گراں ترین زندگی میں نہیں بلکہ ہندوستان کی ارزاں ترین زندگی میں ڈیڑھ سو برس سے ولایت سے جو ارکان کمیشن سرکاری خرچ پر ہندوستان تشریف لانے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں، ان کے کیا اخراجات ہیں۔ سر ہنری ڈابس کے وفد نے افغانستان کی خشک کوہستانی زمین میں کتنا روپیہ پانی کی طرح بہایا۔ سول سروس کمیشن، ہنٹر کمیٹی، ایشر کمیٹی اور یادش بخیر رولٹ بل کمیٹی کے خونی دستاویز کی تصنیف پر غریب ہندوستانیوں کا روپیہ کس طرح بے دریغ لٹایا گیا۔ روزانہ ہر سویلین کے سرکاری سفر، قیام وطعام کا کس قدر بل ادا کیا جاتا ہے۔ کیا ہم غریبوں کو اس کے متعلق کچھ لب کشائی کی اجازت ہے؟

اتحادِ اسلامی اور پین اسلامزم کے الزام سے ہم کیوں کر اپنے کو بری کر سکتے ہیں کہ یہ تو ہمارا مذہب اور دین و ایمان ہے اور ہم کو فخر یہ اعتراف ہے کہ وفد خلافت کے ارکان نے اس کی تبلیغ و اشاعت کو اپنی خدمت کا سب سے بڑا فرض سمجھا۔ اس الزام کے ثبوت کے لیے اگر مزید مثالوں کی ضرورت ہے تو آپ کو ٹائمز اور پاینیر کے صفحات میں یہ جس قدر ملیں گے، اس سے زیادہ فرنچ، عربی اور ترکی اخبارات ورسائل میں آپ کو مل سکیں گے، فرنچ مصنف گارسٹن کی کتاب ''ترکی اور یورپ'' کے ایک ایک صفحہ سے اس کے لیے ثبوت بہم پہنچ سکے گا۔ لیکن یہ منطق ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ پین اسلامسٹ، انڈین نیشنلسٹ نہیں ہوسکتا اور بلاد اسلامیہ اور ہندوستان کی محبت ایک دل میں یکجا نہیں رہ سکتی۔ سر موصوف! کیا یہ اس سے بھی زیادہ محال ہے، جس قدر یہ کہ ایک ہی شخص ایک ہی وقت میں محبت برطانیہ اور محبت ہندوستان دونوں ایک ہی دل میں مجتمع ہوسکتی ہے۔

سر موصوف کو درۂ خیبر کے پاس بیکس اور غریب الدیار مہاجرین کی ''سپید ہڈیاں'' نظر آتی ہیں، کیا جناب والا کی چشم عبرت نگاہ کو کانپور، کلکتہ، امرتسر، لاہور، کچی گڑھی میں غریب مسلمانوں اور ہندوستانیوں کی سرخ لاشیں بھی نظر آتی ہیں؟

بہرحال ہمیں امید ہے کہ ان اوراق کے ملاحظہ کے بعد آپ کے دردمندوں کو وفد خلافت کے حسابات کے عدم اشاعت کے خلجان سے اگر نجات مل جائے گی تو ہندوستان کا بڑا کام انجام پا جائے گا۔

سید سلیمان ندوی

رکن وفد خلافت یورپ (اعظم گڑھ)

۲ جون ۱۹۲۲ء

سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ

عصری جامعات میں علمی تحقیق

☆ڈاکٹر محمد احمد نعیمی

مختصر تعارف: میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ دنیائے تصوف میں ایک ممتاز و عظیم روحانی شخصیت کے علاوہ ایک ہمہ جہت اور عبقری شخصیت کے حامل ہیں۔قرآن وحدیث،شریعت وتصوف،ادب و خطابت اور سیاحت و امور مملکت یعنی معاشرہ کا شاید و باید ہی کوئی ایسا پہلو ہو کہ جس میں انہوں نے گراں قدر خدمات نہ انجام دی ہوں۔

گوناگوں ستودہ صفات کی حامل یہ ذات بابرکات ۷۰۸ھ/۱۳۰۹ء اور بعض محققین کے مطابق ۷۱۲ھ/۱۳۱۳ء میں اس دنیائے آب وگل میں وجود جسمانی سے ہمکنار ہوئی۔اسمِ گرامی سید اشرف اور لقب اوحدالدین ہے۔اس کے علاوہ غوث العالم،تارک السلطنت،محبوب یزدانی اور سلطان سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی جیسے القابات وخطابات بھی ہیں۔والد ماجد کا نام سلطان سید محمد ابراہیم نور بخش ابن سلطان سید عماد الدین شاہ نور بخشی سمنانی اور والدہ محترمہ کا نام حضرت بی بی خدیجہ ہے۔خواجہ احمد یسوی (م ۵۶۲ھ/۱۱۶۶ء) کی نسل سے ہیں۔نسبی اہمیت وعظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کا شجرۂ نسب ۲۰ واسطوں سے حضرت امام جعفر صادقؒ اور ۲۳ واسطوں سے حضرت امام حسینؓ اور ۲۵ واسطوں سے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔(۱)

ان کی والدہ ماجدہ صائمۃ الدھر اور قائمۃ اللیل خاتون تھیں،فرض نمازوں کے علاوہ نمازِ تہجد بھی کبھی قضا نہیں ہوتی تھی۔ولادت باسعادت سے قبل ہی ایک سمنانی مجذوب اور بالخصوص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحالتِ خواب ان کے والد محترم کو بیٹے ہونے کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

☆اسسٹنٹ پروفیسر،اسلامک اسٹڈیز،جامعہ ہمدرد،نئی دہلی۔

"حق تعالیٰ تم کو دو بیٹے عنایت فرمائے گا ایک کا نام اشرف اور دوسرے کا اعراف محمد رکھنا لیکن پہلا فرزند تمہارا صاحب سلطنت ظاہر و باطن ہوگا۔"(۲)

خداداد ذہانت و فطانت ایام طفولیت سے ہی جبین سعادت سے ہویدا تھی۔ سات سال کی عمر میں نہ صرف یہ کہ قرآن پاک کا حفظ مکمل کرلیا بلکہ قرأتِ سبعہ اور عشرہ میں ماہر و کامل اور چودہ سال کی عمر میں علوم عقلیہ اور نقلیہ سے فارغ ہوگئے۔(۳)

تکمیل علوم و فنون اور والد کی وفات کے بعد بعمر ۲۵ سال تخت نشین ہوئے اور تقریباً ۱۰ سال بحسن و خوبی سلطنت کے فرائض انجام دیے۔ طبیعت ابتدا سے ہی بادشاہی جاہ و حشم کی طرف راغب نہ تھی مگر امرا و ارا کین کے منت و اصرار پر تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوئے لیکن چند سال بعد ہی تخت و تاج سے دستبردار ہو کر فقرا و اصفیا کے حلقہ میں داخل ہوگئے اور حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی اور دیگر مشائخ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے، بعد ازاں سمنان سے پنڈوا شریف، بنگال کی طرف عازمِ سفر ہوئے اور حضرت شیخ علاء الحق والدین چشتی گنج نبات کے دستِ اقدس پر بیعت اور پھر خلافت سے سرفراز ہوئے۔

سمنان سے پنڈوہ شریف تین مرتبہ رختِ سفر باندھا۔ اولین دورۂ ہند ۲ سال میں مکمل ہوا اور اسی سفر کے دوران سلطنتِ تغلقیہ کے عہد میں پہلی بار جون پور میں آمد ہوئی اور اسی دورۂ ہند میں مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری سے ملاقات ہوئی۔

ہندوستان کے علاوہ حرمین شریفین، جزیرۃ العرب، مصر، شام، عراق اور ترکستان وغیرہ کے مختلف شہروں اور علاقوں کا سفر کیا اور وہاں کے جید و معروف مشائخ، علمائے دین اور اولیائے کاملین کی ملاقات و صحبت کا شرف حاصل کرکے روحانی و علمی فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے۔ دوسری بار پھر پنڈوہ شریف، بنگال کا سفر کیا اور چار سال تک اپنے مرشد برحق کی بابرکت صحبت سے فیض یاب ہوکر بارِ دِگر حرمین شریفین کی زیارت کا قصد کیا۔ کچھ عرصہ بعد تیسری مرتبہ پھر ہندوستان کا سفر اختیار فرمایا اور اسی سفر میں منصبِ غوثیت پر فائز ہوئے اور محبوبِ ربانی، اوحدالدین، غوث العالم اور محبوب یزدانی جیسے القابات و خطابات سے شرف یاب ہوئے نیز اسی سفر میں حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کی وصیت کے مطابق ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ۲۸ محرم الحرام، ۸۰۸ھ/ ۱۴۰۵ء۔ ۱۴۰۶ء اور بقول

بعض محققین ۸۳۲ھ/۱۴۲۹ء کو عالم فنا سے عالم بقا کی طرف کوچ فرمایا۔(۴)

وہ دنیائے علم اور عالم روحانیت میں کس اعلیٰ منصب پر فائز تھے اس کا اندازہ شاہزادہ دارا شکوہ جیسے دانشور کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جس میں ان کو ''صاحب آیات و کرامات جلیلہ و مقامات رفیعہ'' جیسے القاب و آداب کے ساتھ یاد کیا ہے۔''(۵)

مختلف تحقیقی مقالات اور مشائخ و صوفیہ کے سوانح و حالات سے متعلق کتب و رسائل میں مذکور ہے کہ سید اشرف جہانگیر سمنانی کو چار محدثین سے سندِ احادیث اور تقریباً ۱۴ روحانی سلاسل سے اسنادِ خلافت حاصل تھیں۔ان کے زمانہ میں تقریباً ۱۰۴/ جلیل القدر صوفیائے کرام نے ان سے سندِ خلافت کے حصول کا شرف حاصل کیا۔مثلاً قاضی شہاب الدین دولت آبادی، حاجی شیخ نظام الدین یمنی، سید عبدالرزاق جیلانی، سید بدیع الدین زندہ شاہ مدار اور شیخ الاسلام احمد آبادی وغیرہ۔

ممتاز و معروف اور جلیل القدر مفسرین و محدثین و فقہا و اولیا ان کے ہم عصر تھے۔مثلاً شیخ ابن قیم جوزی، امام تقی الدین سبکی، امام ولی الدین خطیب تبریزی، امام عماد الدین الشافعی، خواجہ حافظ شیرازی، مخدوم جہانیاں جہاں گشت، امام عبداللہ یافعی شافعی محدث کعبہ، حضرت بندہ نواز گیسو دراز، حضرت شیخ بہاء الدین نقشبند، علامہ ابن حجر عسقلانی اور حضرت علامہ نجم الدین حنفی وغیرہ۔

تصنیف و تالیف کے شعبہ میں بھی انہوں نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ترجمۂ قرآن بزبان فارسی کے علاوہ مختلف موضوعات پر تقریباً ۳۴/ کتب و رسائل تصنیف فرمائے، جن میں بعض محققین کے مطابق ان کی کتاب ''تصوف و اخلاق'' کو اردو نثر کی اولین کتاب ہونے کا امتیاز حاصل ہے۔(۶)

مذکورہ بالا صفات و کمالات کی بنا پر وہ آج تک مرجع خلائق ہیں۔اور آج بھی ہر قوم و مذہب اور ہر طبقے سے عقیدت مند مسلسل ان کی درگاہ پر بڑی تعداد میں حاضری دیتے رہتے ہیں۔بالخصوص جادو، سحر اور آسیب زدہ مریضوں کے لیے تو ان کا آستانہ بہت مشہور ہے۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں:

> ''آپ صاحبِ کرامت و تصرف اور بڑے کامل ولی اللہ تھے۔ہندوستان آکر شیخ علاء الدین کے مرید ہوئے۔مرید ہونے سے قبل ہی آپ کشف و کرامات کے مقامات علیا حاصل کر چکے تھے۔حقائق اور توحید کے بارے میں بڑی بلند باتیں بیان فرمایا کرتے

تھے، آپ کے مکتوبات بڑی عجیب وغریب تحقیقات کے مجموعے ہیں۔ آپ کا مزار کچھوچھہ میں ہے، جو بہت بڑا فیض کا مقام ہے اور ایک تالاب کے درمیان میں ہے، اس علاقہ میں جنات کو دور کرنے کے لیے آپ کا نام لے دینا بڑا اکسیر نسخہ ہے۔''(۷)

صاحب مرأۃ الاسرار حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی (۱۰۰۵ھ-۱۰۹۴ھ) اس طرح رطب اللسان ہیں:

''آں سلطانِ مملکتِ دنیا ودین، آں سر حلقۂ عارفانِ اربابِ یقین، آں محب و محبوب خاص ربانی، غوث الوقت حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرّہٗ یگانۂ روزگار تھے اور شانِ رفیع، ہمت بلند، کراماتِ وافر کے مالک تھے۔ آپ کو چودہ سلاسل سے خلافت حاصل تھی، مادرزاد ولی تھے اور علم لدنی کے دروازے آپ پر کشادہ تھے۔ آپ کے حوض کا پانی آسیب زدہ کے لیے شفا ہے۔ آپ نے خود فرمایا کہ جو شخص خلوصِ دل کے ساتھ میری قبر پر آئے گا انشاء اللہ ہرگز خالی نہ جائے گا اور اس مقام پر ولایتِ ظاہری وباطنی کے عزل ونصب کے لیے اکثر رجال اللہ کا مجمع رہے گا۔''(۸)

سید اشرف جہانگیر سمنانی پر اردو اور انگلش میں جو تحقیقی مقالات لکھے گئے ہیں وہ دو قسم کے ہیں، ایک وہ کہ جن کا موضوع مکمل طور پر ''سید اشرف جہانگیر سمنانی'' سے متعلق ہے اور دوسرے وہ جن کا موضوع خاندانِ اشرفیہ کی کسی دوسری ذاتِ گرامی سے منسلک ہے لیکن مورثِ اعلیٰ اور سلسلہ اشرفیہ اور خاندانِ اشرفیہ کے بانی کی حیثیت سے ضمناً اور جزوی طور پر حضرت سمنانی کا تذکرہ اس میں آگیا ہے۔ غیر منقسم ہندوستان میں اب تک جو تحقیقی مقالے لکھے گئے ہیں ان کا ایک اجمالی خاکہ ہم بالترتیب آئندہ سطور میں پیش کریں گے۔ اولاً ان مقالات کا سرسری جائزہ جو مکمل طور سے ان کی ذات والا صفات سے وابستہ ہیں اور ثانیاً وہ جو ضمنی اور جزوی حیثیت سے ان کی شخصیت کی ترجمانی کرتے ہیں۔

مکمل مقالات

مقالہ نمبر ۱: عصری جامعات میں سید اشرف جہانگیر سمنانی پر تحقیق کرنے والوں میں ''ڈاکٹر سید وحید اشرف'' کا نام سرفہرست ہے۔ ان کے مقالہ کا موضوع تھا: A Critical Edition of The

(Latiaf-i-Ashrafi Fi Bayan-i-Tawaif-i-Sufi لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی: ایک اہم تنقیدی اشاعت)۔

انھوں نے یہ مقالہ بزبان فارسی اور انگلش، شعبۂ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے پروفیسر نذیر احمد کی نگرانی میں ۱۹۶۵ء میں مکمل کیا تھا۔ یہ مقالہ حسب ذیل ذیلی عناوین پر مشتمل ہے:

۱۔تعارف ۲۔سید اشرف جہانگیر سمنانی کی تاریخ ولادت ووفات ۳۔آبائی وطن اور ابتدائی زندگی ۴۔ہندوستان آمد ۵۔بادشاہوں اور بزرگوں کے ساتھ روابط ۶۔تعلیم وتربیت اور مشائخ و اساتذہ کے ساتھ آپ کا تعلق ۷۔مثالی خدمات ۸۔لطائف اشرفی ۹۔لطائف اشرفی کی ترتیب و تکمیل ۱۰۔لطائف اشرفی کے بنیادی ماخذ ۱۱۔لطائف اشرفی: تصوف اور تذکرہ کی دیگر کتب کے ماخذ کی حیثیت سے ۱۲۔لطائف اشرفی کی اہمیت۔الف: اسلامی تصوف کی کتاب کے طور پر۔ب: ادبی حیثیت کے طور پر ۱۳۔لطائف اشرفی میں تاریخی غلطیاں، جلد نمبر ۱۔ ۱۴۔لطائف اشرفی: اس کا قلمی نسخہ اور اس کی عبارت ومتن کی اصلاح وتصحیح میں اختیار کردہ طریقۂ کار۔

ڈاکٹر موصوف کا مکمل مقالہ ۶۷۷ صفحات میں ہے جس میں ابتدائی ۹۶ صفحات انگریزی میں اور باقی فارسی زبان میں ہیں۔ اپنے موضوع پر یہ ایک نہایت تحقیقی اور تنقیدی مقالہ ہے۔

"In the Lataif-i-Ashrafi, the date of his birth is not given. But the date of his death veries in various copies of the Lataif-i-Ashrafi and in the books of 'Tazkira' as well. There are four dates mentioned in the books: 792 A.H., 798 A.H. 808 A.H. and 840 A.H. All his baigiologists of the Present Century agree to the opinion that the date of his death is 808 A.H. But neither 792 A.H. nor 798 A.H. can be the date of his death for the Following reasons. (۹)

مقالہ نمبر۲: شعبۂ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ہی سے دوسرا تحقیقی مقالہ لکھنے والے ''محی الدین اظہر صاحب'' ہیں۔ ان کے مقالہ کا عنوان تھا: A Critical Evaluation of Lataif-i-Ashrafi (لطائف اشرفی کا تنقیدی جائزہ) یہ مقالہ اردو زبان میں ۲۸۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ جو ڈاکٹر سمیع الدین احمد

کی نگرانی میں سنہ ۱۹۸۲ء میں لکھا گیا اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا مستحق ہوا۔

ڈاکٹر محی الدین اظہر کا مقالہ چار ابواب میں منقسم ہے:

پیش گفتار، باب اول: حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی کی شخصیت ۱۔ حالاتِ زندگی کا اجمالی جائزہ ۲۔ خلفائے نامدار ۳۔ علمی تصانیف اور شاعری۔ باب دوم: لطائف کا تاریخی جائزہ ۱۔ تسامحات ۲۔ شخصیات ۳۔ واقعات۔ باب سوم: لطائف کی متصوفانہ اہمیت۔ باب چہارم: لطائف کی ادبی قدر و منزلت اور کتابیات۔

مقالہ کے مرکزی اور ذیلی عناوین سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ مقالہ ڈاکٹر وحید اشرف کے مقالہ کا چربہ ہے۔ لیکن ایسا ہے نہیں۔ موضوع اور مضامین کے لحاظ سے دونوں مقالوں میں اگرچہ قدرے مماثلت ہے لیکن تحقیقی مواد اور اسلوب کے لحاظ سے یہ بالکل جدا ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے وضاحت کی ہے کہ:

> ''پروفیسر نذیر احمد اور ڈاکٹر وحید اشرف نے اب تک لطائفِ اشرفی پر جو کام کیا ہے اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اس کتاب کے متفق موضوعات و مضامین کے پیشِ نظر اسی تحقیقی و تنقیدی تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے راقم السطور نے بھی پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے ڈاکٹر سمیع الدین احمد کی نگرانی میں ''لطائف اشرفی کا تنقیدی جائزہ'' کے موضوع پر کام کرنا شروع کیا۔ اگرچہ ہمارا موضوع حضرت سید اشرف کے حالاتِ زندگی کی ترتیب و تدوین نہیں ہے مگر چونکہ لطائف اشرفی ان کے حالات و ملفوظات پر مشتمل ہے اس لیے اس کتاب کے تنقیدی جائزہ کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے یہ باب قائم کرنا ضروری سمجھا گیا۔'' (۱۰)

مقالہ نمبر۳: تیسرا مقالہ ''سید محمد اشرف جیلانی'' کا مقالہ ہے اور انفرادی و امتیازی اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں حضرت سمنانی کی حیات و خدمات اور تعلیمات سے متعلق کافی شرح و بسط کے ساتھ تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے، مقالہ کا موضوع ہے ''سید اشرف جہانگیر سمنانی کی علمی، دینی اور روحانی خدمات کا تحقیقی جائزہ''۔ اردو زبان میں یہ اور ۳۹۳ صفحات پر مشتمل ہے جو کراچی یونیورسٹی کے کلیہ معارفِ اسلامیہ سے ڈاکٹر جلال الدین نوری صاحب کی نگرانی میں مکمل کیا گیا تھا۔

سید محمد اشرف جیلانی نے مکمل مقالہ پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب میں دو فصلوں کا تعین کیا ہے، جن کے تحت بہت سے ذیلی عناوین ہیں۔ مثلاً:

مقدمہ، شجرۂ نسب سید اشرف جہانگیر سمنانی، باب اول: سید اشرف جہانگیر سمنانی کے عہد کے سیاسی، مذہبی اور معاشرتی ماحول کا جائزہ۔ فصل اول: آپ کا تاریخی، سیاسی اور خاندانی پس منظر، ولادت، وقت کے جید علما سے تحصیل علم اور شہر سمنان کی تاریخی حیثیت۔ فصل دوم: سید اشرف جہانگیر سمنانی بحیثیت ایک حکمراں و سپہ سالار اور آپ کے عہد کا مذہبی سیاسی اور معاشرتی ماحول۔ باب دوم: ترک سلطنت اور تبلیغی خدمات۔ فصل اول: ترک سلطنت، آغاز سیاحت، جلیل القدر مشائخ سے ملاقات اور کسب فیض۔ فصل دوم: تبلیغ و اصلاح اور احیاء شریعت۔ باب سوم: علمی خدمات اور معاصرین۔ فصل اول: ہم عصر علما و صوفیہ سے تعلق اور ان کے حالات و واقعات۔ فصل دوم: تصانیف، علمی و ادبی خدمات۔ باب چہارم: اخلاف کی دینی و تبلیغی خدمات، شجرۂ نسب سید عبدالرزاق نورالعین۔ فصل اول: سید اشرف جہانگیر سمنانی کی اولاد اور خلفا کی تبلیغی خدمات۔ فصل دوم: سید اشرف جہانگیر سمنانی کے ملفوظات و تعلیمات۔ باب پنجم: خلاصہ اور نتائج۔

ڈاکٹر سید محمد اشرف جیلانی نے اس تحقیقی مقالے کا انتخاب کیوں کیا؟ وہ لکھتے ہیں کہ:

> ’’سید اشرف جہانگیر سمنانی صرف ایک روحانی شخصیت ہی نہیں تھے بلکہ علمی و ادبی میدان میں بھی منفرد مقام رکھتے تھے۔ آپ نے جس طرح تبلیغ اسلام کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا وہاں علمی و ادبی لحاظ سے بھی عظیم خدمات انجام دیں اور تاریخ کا ایک حصہ بن گئے لیکن افسوس کہ اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی اس عظیم شخصیت پر وہ تحقیقی کام نہ ہو سکا جو ہونا چاہیے تھا۔ اگر چہ مختلف ادوار میں مختلف حضرات نے آپ کی سیرت پر لکھا لیکن صرف کشف و کرامات پر ہی اکتفا کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ آپ کو صرف ایک ولی کامل کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ آپ کی حیات و تعلیمات پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا جائے جو آپ کی علمی و ادبی دینی و روحانی اور تبلیغی خدمات کا احاطہ کر سکے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اب تک پاکستان میں سید اشرف جہانگیر سمنانی پر تحقیقی کام نہیں ہوا تھا اس لیے راقم نے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا۔‘‘(۱۱)

مقالہ نمبر۴: پروفیسر ڈاکٹر نذیر احمد کے سفر نامے کے مطابق سید اشرف جہانگیر سمنانی کا آبائی قدیم شہر سمنان ایک قصبہ کی صورت میں ایران میں آج بھی موجود ہے جہاں ماضی کے اس عظیم الشان شہر کے کھنڈروں کے نشانات نظر آتے ہیں۔ یہ قدیم تاریخی شہر اصفہان سے ۲۰۰ میل اور کاشان سے ۱۵۰ میل کی مسافت پر واقع ہے۔ ایران کی باشندہ اور شہر سمنان سے بخوبی واقف و آگاہ ڈاکٹر نیرہ ابیات کا نام بھی سید اشرف جہانگیر سمنانی کے مقالہ نگاروں میں بطورِ خاص لائقِ ذکر ہے۔ جنھوں نے ''ہندوستان میں ایرانی تصوف'' کے حوالے سے تحقیقی مقالہ تحریر فرما کر ایک قابلِ تحسین کارنامہ انجام دیا ہے۔ نیرہ ابیات کے مقالہ کا عنوان ہے:

"Iranian Tasawwuf in India: A Study of The Thought and Cult Mir Saiyid Asharf Jahangir Simnani" (ایرانی تصوف ہندوستان میں: میر سید اشرف جہانگیر سمنانی کے مسلک اور فکر کا مطالعہ)۔

نیرہ ابیات نے یہ مقالہ ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد (ہمدرد یونیورسٹی) نئی دہلی سے ۲۰۰۸ء میں پروفیسر بصیر احمد خاں اور پروفیسر ظہیر حسین جعفری کی نگرانی میں بزبان انگریزی مکمل کیا ہے جو A4 (اے۔فور) کے ۲۱۲ صفحات پر مشتمل ہے، اس مقالہ میں چار باب (Chapter) ہیں۔

اظہارِ تشکر، تعارف، باب اول: تصوف کی اصل و معنیٰ، لفظ تصوف کا اشتقاق، تصوف کا مفہوم و تشریح، تصوف کا ماخذ و مرجع، اسلامی نظریات اور مخالف نظریات کا تقابلی جائزہ، اسلامی ماخذ کے علاوہ تصوف کے دیگر مآخذ۔ باب دوم: تصوف کی تاریخ، اسلامی دنیا میں تصوف کے آغاز و ارتقاء کا پس منظر، ہندوستان میں اسلام اور اسلامی تصوف، ہندوستانی تصوف پر ایرانی تصوف کا اثر، ہندوستان کے اہم صوفی سلاسل، باب سوم: سید اشرف جہانگیر سمنانی کی سوانح، شجرۂ نسب، ولادت، تعلیم، سیاحت، تصنیفات، بیعت و خلافت، کرامات اور روحانی تعلیمات، آستانہ کچھوچھہ مقدسہ، جامع اشرف، مختار اشرف لائبریری اور احمد اشرف ہال، سید اشرف جہانگیر سمنانی سے متعلق بعض متقدمین اور بعض متاخرین کے نظریات۔ باب چہارم: میر سید اشرف جہانگیر سمنانی اور وحدۃ الوجود، وحدۃ الوجود کے متعلق ابن عربی کا نظریہ، خلاصۂ بحث، کتابیات اور ضمیمہ۔

نیرہ ابیات نے وجہ تحقیق بتائی کہ:

Sixth century Hijri some Sufis migrated to India from Central Asia. They were both Chishtis and Soharavardis. Chishtis mostly Preached in Ajmer, part of Punjab, Delhi, Uttara Pradesh, Bihar and Deccan. Chishti School of mystic thought which continues to be the most Prominent branch of mysticim in India is unfortunately, not so well known in Iran. As I went ahead in my study about Chishtieh. I was attaracted by the personality of Saiyid Ashraf who himself is the founder of a branch of Chishtieh called Ashrafiyah. This encourgaged me to work on it.(۱۲)

مقالہ نمبر ۵: ایم فل (ماسٹر آف فلاسفی) کا ایک تحقیقی مقالہ بنگلہ دیش میں بھی محمد مقصود الرحمٰن کے توسط سے پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔ موصوف نے اپنا یہ مقالہ بزبان انگلش پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد صاحب کی نگرانی میں ڈپارٹمنٹ آف اسلامک ہسٹری اینڈ کلچر، چٹاگونگ یونیورسٹی سے مکمل کیا ہے جو تقریباً ۲۷۰ صفحات میں ہے۔ مقالہ کا عنوان ہے:

"Hazrat Ashraf Jahangir Simnani (R.A.) and his odd encounters in Sultanat-i-Bangalah: Mirzakhil Darbar Sharif - A Case Study." (حضرت اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ اور سلطنت بنگلہ میں ان کے متفرق تعلقات: بالخصوص مرزا خیل دربار شریف۔ ایک معاملہ کا مطالعہ)

مقصود الرحمٰن صاحب کا یہ مقالہ تین ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب مختلف حصوں میں تقسیم ہے جس کے محتویات و مشمولات کی فہرست درج ذیل ہے:

اظہارِ تشکر، پیش لفظ، تعارف، باب اول: مرزا خیل دربار شریف، ان کا آبائی نسبی اور روحانی استحکام ایک مطالعہ، شاہ جہانگیر اول حضرت شیخ العارفین، شاہ جہانگیر دوم حضرت فخر العارفین، شاہجہاں سوم حضرت شمس العارفین، شاہ جہانگیر چہارم حضرت تاج العارفین اور دربار شریف کا یادگاری بیان۔ باب دوم: حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کی مختصر سوانح حیات، حضرت اشرف جہانگیر سمنانی اور حضرت شاہ جہانگیر شیخ العارفین کی ملاقات کے کچھ خاص نکات، دونوں کے لقب (شاہ جہانگیر) کا یکساں ہونا، طریقت کے متعدد طریقوں میں اتفاق و مماثلت، ایک عظیم واقعہ کے متعلق دونوں کا اتفاق و مماثلت، علم و معرفت کے حصول میں دونوں کا باہمی اتفاق و یکسانیت اور امام جعفر صادق سے

متعلق اتفاق و یکسانیت۔ سلطنتِ بنگلہ میں حضرت اشرف جہانگیر سمنانی کے عجیب و غریب تجربات، راجا کانس اور جلال الدین محمد شاہ۔ راجا کانس کا تجاوز اور اس کا دردناک انجام، جلال الدین ابوالمظفر محمد شاہ، بنگال میں الیاس شاہی سلطنت کے تحت نومولود مسلم ریاست کے تحفظ میں حضرت اشرف جہانگیر سمنانی کا کردار، حضرت نور قطب عالم کا ابراہیم شرقی کو خط، حضرت سمنانی کا حضرت ابراہیم شرقی کو خط، حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کی تاریخِ وفات کا تنقیدی جائزہ۔ باب سوم: خلاصۂ بحث، ضمیمہ: حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کا روحانی نسب، مرزا خیل دربار شریف کا روحانی نسب، حضرت اشرف جہانگیر سمنانی کا نسب نامہ، مرزا خیل دربار شریف کے شاہ جہانگیر کا نسب نامہ، حضرت شاہ جہانگیر کی زندگی بھر کی جدوجہد کو اجاگر کرنے والے متواتر سفر اور سیاحت، روزانہ کے معمولات اور مشاہدات کا خاکہ اور کتابیات۔

مقصودالرحمٰن صاحب کا مقالہ اس لحاظ سے امتیازی نوعیت کا حامل ہے کہ ان کا موضوع دیگر مقالات سے بالکل الگ ہے، وہ خود لکھتے ہیں:

"In the present work 'Hazrat Ashraf 'Jahangir Simnani (R.A.) and his odd encounters in Sultanat-i-Bangalah: Mirzakhil Darbar Sharif-A Case Study', we have almost a new subject-matter in treatment without parallel, though works and writings on emergence of Sufism seem to be ample. In our research, we are however, obliged to a good many works contemporary and subsequent to its parallelism. (۱۳)

جزوی یا ضمنی مقالات: جہاں تک سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی سے متعلق جزوی ریسرچ کا تعلق ہے تو ایسے حضرات کی ایک طویل فہرست ہے جنھوں نے سلسلۂ اشرفیہ، خانوادۂ اشرفیہ اور سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں پر مختلف موضوعات کے تحت ایم فل یا پی ایچ ڈی کے مقالے لکھے اور ضمناً حضرت سمنانی کا ذکر کیا، سردست ہم صرف دو جزوی مقالات کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔

مقالہ نمبر ۱: ''ڈاکٹر محمد فرحت علی صدیقی'' کا ہے جنھوں نے ڈاکٹر سید حمید الدین قادری کی نگرانی میں فیکلٹی آف اورینٹل لینگویجیز عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد سے ''حضرت سید محمد اشرفی کی اردو شعری خدمات'' کے موضوع پر اردو میں اپنا مقالہ تحریر کیا ہے جو ۳۳۳ صفحات پر محیط ہے۔ یہ مقالہ ۷/ابواب پر مشتمل ہے۔

سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی (سید کچھوچھوی کے مشربی جد)، شہر سمنان کا محل وقوع،

سید اشرف جہانگیر کا خاندان، خانوادۂ سید کچھوچھوی، وصال مخدوم سمنانی، اردو نثر کے پہلے مصنف، سید اشرف جہانگیر کی تصنیفی وادبی خدمات، مخدومی ترجمۂ قرآن کی ادبی اہمیت، تحقیقاتِ عشق، لطائف اشرفی کے اردو ترجمہ کا ادبی مقام، مکتوباتِ اشرفی، بشارت المریدین، مخدوم اشرف جہانگیر کی شعر گوئی، اشرف جہاں گیر کی کراماتِ عظمتِ نشان اور جانشین مخدوم سید عبدالرزاق نورالعین حسنی وغیرہ۔

ڈاکٹر فرحت علی صدیقی نے سید سمنانی کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

"سلسلہ عالیہ اشرفیہ کے بانی محبوب یزدانی، غوث العالم حضرت مخدوم سلطان سید اشرف حسینی جہانگیر سمنانی ثم کچھوچھوی ہیں۔ راقم السطور کو جدہ و حرمین شریفین میں تقریباً ایک دھے کے قیام کے دوران بعض ایسے قبیلوں سے ملنے کا بھی اتفاق ہوا جن کے آبا و اجداد ایران، آذربائجان اور مختلف مقامات سے نقل مکانی کر کے کئی دہوں سے جزیرۃ العرب کے شہروں میں آباد ہو گئے ہیں۔ ان باشندوں نے بتایا کہ "سمنان" آج جغرافیائی اعتبار سے آذربائجان کے حدود میں شامل ہے۔ مذکورہ قبیلے آج بھی اپنے ناموں کے ساتھ سمنانی ضرور لکھتے ہیں۔ اور اپنی دوکانوں، فیکٹریوں اور کمپنیوں کا نام بھی سمنان رکھتے ہیں۔ مگر وہ شہ سمنان حضرت مخدوم اور ان کے خاندان سے کم ہی واقف ہیں۔ یہ وہی صوفیٔ باکمال سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ ہیں جنھیں محققین اردو ادب نے اردو کے پہلے نثر نگار ہونے کی حیثیت سے روشناس کرایا ہے اور ان کے رسالہ "اخلاق و تصوف" کو اردو کی پہلی تصنیف قرار دیا ہے۔ آپ شعر و سخن سے بھی دلچسپی رکھتے تھے اور عربی و فارسی میں طبع آزمائی فرماتے تھے۔ کلام میں اپنے نام اشرف کو ہی بطور تخلص اختیار فرمایا ہے۔ "دیوانِ اشرف" مجموعۂ کلام بے جواب نایاب ہے"۔ (۱۴)

مقالہ نمبر۲: "ڈاکٹر غلام عبدالقادر حبیبی" کا ہے جنھوں نے "اشرف العلما سید حامد اشرف تعلیمی وسماجی خدمات" کے عنوان سے اپنا تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز جامعہ ہمدرد، نئی دہلی سے پروفیسر غلام یحییٰ انجم صاحب کی نگرانی میں مکمل کیا۔ یہ مقالہ ۲۰۱۷ء میں اشرف العلما مشن زکریا مسجد ممبئی کے ذریعے زیور طبع سے بھی آراستہ ہو چکا ہے۔

اشرف العلما کا چونکہ خانوادۂ اشرفیہ ہی سے تعلق تھا اور اسی نسبت سے عوام و خواص میں متعارف ہوئے۔ لہٰذا ان کا خاندانی پس منظر بیان کرتے ہوئے حبیبی صاحب نے سید اشرف جہانگیر سمنانی کی حیات و خدمات اور کمالات کا بھی کہیں کہیں ضمناً تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً یہ اقتباسات:

سید اشرف جہانگیر سمنانی آٹھویں صدی ہجری کے ان بزرگوں میں سے ہیں جنھوں نے انفس و آفاق کے مشاہدہ اور عبادات میں یکسوئی اور سکون حاصل کرنے کے لیے شادی نہیں کی اور تجرد کی زندگی اختیار کی۔

پندرہ سال کی عمر میں آپ تخت حکومت پر بیٹھے۔ دس سال حکمرانی کی اور ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خضر کے کہنے پر ترکِ سلطنت فرما کر مرشد کی تلاش میں ہندوستان کا سفر کیا۔

سید اشرف جہانگیر سمنانی شرقی دور کے اجلۂ مشائخ و اکابر علما میں ہیں۔ شیخ وقت ہونے کے ساتھ نامور عالم دین اور مصنف بھی تھے ان کی جامعیت کا اندازہ ان کی تصانیف سے ہوتا ہے۔ (۱۵)

حوالہ جات

(۱) سید محمد اشرف جیلانی، سید اشرف جہانگیر سمنانی کی علمی، دینی اور روحانی خدمات کا تحقیقی جائزہ، کراچی، کلیہ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی، ۲۰۰۳ء، ص ۱۷ تا ۲۴۔ (۲) سید علی حسین اشرفی، صحائف اشرفی جلد اول، ممبئی، ادارہ فیضان اشرف دار العلوم محمدیہ، ص ۶۰۔ (۳) خزینۃ الاصفیاء (اردو)، جلد ۲، ص ۲۵۱، سید اشرف جہانگیر سمنانی کی علمی، دینی اور روحانی خدمات کا تحقیقی جائزہ، ص ۳۴۔ (۴) بشارت علی صدیقی، مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی حیات و خدمات، حیدرآباد، اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۶ء، ص ۳ تا ۵، سید اشرف جہانگیر سمنانی کی علمی، دینی اور روحانی خدمات کا تحقیقی جائزہ، ص ۵۳ تا ۹۲۔ (۵) داراشکوہ، سفینۃ الاولیاء، آگرہ، ۱۸۵۳ء، ص ۱۲۸۔ (۶) مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی حیات وخدمات، ص ۶ تا ۱۶۔ (۷) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار (اردو) لاہور، اکبر بک سیلرز، ۲۰۰۴ء، ص ۳۵۳۔ (۸) عبدالرحمٰن چشتی، مرآۃ الاسرار (اردو) لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء، ص ۱۰۴۴، ۱۰۵۴، ۱۰۵۶۔ (۹) Saiyid Waheed Ashraf, A Critical Edition of the Lataif-i-Ashrafi, Aligarh, Department of Persian, A.M.U., 1965, P.11 (۱۰) ڈاکٹر محی الدین اظہر، لطائف اشرفی کا تنقیدی جائزہ، علی گڑھ، شعبۂ فارسی، اے ایم یو، ۱۹۸۲ء، ص ۱۳/۱۴۔ (۱۱) سید اشرف جہانگیر سمنانی کی علمی، دینی اور روحانی خدمات کا تحقیقی جائزہ، ص ۵۔ (۱۲) محمد فرحت علی صدیقی، حضرت سید محمد اشرفی کی اردو شعری خدمات، حیدرآباد، عثمانیہ یونیورسٹی، ۲۰۱۱ء، ص ۱۲۱۔ (۱۳) Dr. Nayereh Abyat, Irani Tasawwuf in India: A Study of Mir Sayid Ashraf, Department of Islamic Studies, Jamia Hamdard, New Delhi, 2008, P.4 (۱۴) Mohd. Maqsudurrahman, Hazrat Ashraf Jahangir Simnani and his odd encounters in Sultanat-i-Bangalah, Chittagong University, Department of Islamic History, 2010, P.4. (۱۵) ڈاکٹر فرحت علی صدیقی، حضرت سید محمد اشرفی کی اردو شعری خدمات، حیدرآباد عثمانیہ یونیورسٹی، فیکلٹی آف اورینٹل لینگویجیز، ۲۰۱۱ء، ص ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۳۰۔

اجمیر کا سلور جوبلی تہنیتی مشاعرہ ۱۹۳۵ء

ڈاکٹر معین الدین شاہیںؔ ☆

راجپوتانہ میں اردو ادب کے تعلق سے ایک مضمون ''اجمیر کا مشہور طرحی مشاعرہ'' کے عنوان سے لکھا تھا، اب راقم ایک اور تاریخی اجمیری مشاعرہ کا ذکر کرتا ہے۔ راقم کے پیش نظر اجمیر میں ۲۱ مارچ ۱۹۳۵ء کو منعقدہ ایک سلور جوبلی مشاعرے کی روداد ہے جو کنگ جارج پنجم اور ان کی اہلیہ کی سلور جوبلی کے موقع پر بطور تہنیت منعقد ہوا تھا۔ اس مشاعرے میں اردو اور فارسی کے شعرا کے ساتھ ساتھ سنسکرت اور ہندی کے کوی حضرات نے بھی اپنا کلام پیش کیا تھا، اس کے انعقاد کی تیاریاں کسی شادی کی تقریب کی طرح کی گئی تھیں۔ بعض بزرگوں کی زبانی سنا گیا ہے کہ رفیعؔ اجمیری، فضائیؔ ٹونکی، عبیداللہ قدسیؔ اور قیسیؔ رام پوری ثم الا جمیری اور بعض دیگر غیور طبیعت شعرا نے مشاعرے میں شرکت سے اس لیے انکار کر دیا تھا کہ جہاں پورے ملک میں انگریزوں کے خلاف غم وغصہ ہے، آزادی وطن کی تحریک زوروں پر ہے، وہاں کوئی بھی غیرت مند شخص انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کی خوشامد اور جی حضوری کیسے کر سکتا ہے۔

اس طرح برٹش حکومت کے خلاف شاعروں نے دوررہ کر عملی احتجاج کیا۔

مشاعرہ چونکہ تہنیتی تھا، اس لیے اسے ''دیئر میجیسٹیز سلور جوبلی مشاعرہ'' کا نام دیا گیا جو کیپٹن ایل۔اے۔جی۔ پینے آئی۔اے، اسسٹنٹ کمشنر اجمیر میرواڑہ کی سرپرستی میں منعقد ہوا۔ مشاعرے کے ممبران کی فہرست بہ عنوان ''ممبرانِ سلور جوبلی مشاعرہ کمیٹی'' اس طرح تشکیل دی گئی تھی:

۱۔ سید اقبال علی شاہ صاحب، نصیرآباد ۲۔ خان صاحب رستم جی فرام جی، آنریری مجسٹریٹ، نصیرآباد ۳۔ مسٹر غلام علی مانیؔ، بی۔اے، بی۔ٹی، اجمیر ۴۔ سیٹھ محمد ابراہیم صاحب، میونسپل کمشنر، اجمیر

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، سمراٹ پرتھوی راج چوہان گورنمنٹ کالج، اجمیر (راجستھان)۔۳۰۵۰۰۱۔

۵۔مولانا حکیم محمد صدیق صاحب شوقی، اجمیر۔صدر جوبلی شعرا کمیٹی ۶۔صاحبزادہ سید اسرار احمد صاحب، اجمیر ۷۔خان صاحب اے۔ایل۔ڈیوڈ، اے۔ایل۔ٹی، ہیڈ ماسٹر ایچ۔ایم ہائی اسکول و آنریری مجسٹریٹ، اجمیر ۸۔مسٹر آر۔خان، اے۔ایم۔آئی لوکوائی اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ لوکو اینڈ کیرج شاپ، اجمیر ۹۔لفٹننٹ صاحبزادہ سید عبدالسلام صاحب، سب رجسٹرار۔اجمیر ۱۰۔رائے بہادر مہامہوبادہیا پنڈت گوری شنکر اوجھا، سپرنٹنڈنٹ۔محکمہ آثار قدیمہ، اجمیر ۱۱۔ڈاکٹر آر۔ملہوترا ڈی (ایس، سی) کیرج اینڈ ویگن شاپ، اجمیر ۱۲۔سردار بہادر بھگوان سنگھ صاحب، بارایٹ لا، اجمیر ۱۳۔صاحبزادہ سید محمد حسین صاحب چشتی ممبر درگاہ کمیٹی، آنریری مجسٹریٹ، میونسپل کمشنر، اجمیر ۱۴۔رائے بہادر سیٹھ بھاگ چند سونی، ایم۔ایل۔اے، اجمیر ۱۵۔صاحبزادہ سید ظہور الحسن صاحب، وکیل خدام صاحبان درگاہِ معلیٰ، امین مشاعرہ کمیٹی، اجمیر ۱۶۔مولانا حمید اللہ خان صاحب یوسف زئی، پروفیسر گورنمنٹ کالج، آنریری مجسٹریٹ، صدر مشاعرہ کمیٹی، اجمیر ۱۷۔مولانا خواجہ عبدالباری معنیؔ اجمیری، سکریٹری جوبلی مشاعرہ کمیٹی، اجمیر۔

اسی طرح ''ممبران شعرا کمیٹی'' میں چوبیس حضرات کو شامل کیا گیا تھا، طوالت کو دیکھتے ہوئے ان کے نام درج نہیں کیے جاتے۔

مشاعرے کی ایک روداد کلکتہ آرٹ پریس، دہلی میں طبع ہوئی، جس کے شروع میں مولانا عبدالباری اجمیری، آنریری سکریٹری جوبلی مشاعرہ کمیٹی نے مشاعرے سے متعلق اہم تفصیلات کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ''ہیز میجیٹیز سلور جوبلی مشاعرہ ۲۱ مارچ ۱۹۳۵ء کو اجمیر میں آنا ساگر بند پر منعقد ہوا۔
>
> جلسہ کا افتتاح یونین جیک کے لہرائے جانے سے ہوا، یہ رسم بوائے اسکاؤٹس نے زیر نگرانی جناب غلام علی خاں صاحب ادا کی جو سرکاری محکمۂ تعلیم کے ایک قابل فرد ہونے کے علاوہ میدان اسکاؤٹنگ کے ایک ممتاز افسر بھی ہیں، اس کے بعد بی۔بی اینڈ سی۔آئی ریلوے بینڈ بجایا گیا جو ہمیں جناب سی۔جی۔کوٹس ورتھ صاحب ایم اے سپرنٹنڈنٹ کیرج اینڈ لوکو شاپ، اجمیر کی خاص عنایت سے اس موقع کے لیے حاصل ہوا تھا، اس کے بعد غلام نجف قوّال درگاہ شریف اجمیر نے ایک دعائیہ نظم

گائی جو خاص اسی موقع کے لیے سکریٹری مشاعرہ کمیٹی نے تصنیف کی تھی، حاضرین نے فن موسیقی کے کمالات اور نظم دونوں سے حظ حاصل کیا۔ ابھی محفل پر موسیقیت کے اثرات باقی تھے کہ اسی مترنم فضا میں کیپٹن ایل۔اے۔جی پہنے اسسٹنٹ کمشنر اجمیر، میرواڑہ سرپرست جوبلی مشاعرہ کمیٹی نے گوہرافشانی شروع فرمائی، اس افتتاحی تقریب کے بعد صدر مشاعرہ کمیٹی پروفیسر جناب مولانا حمیداللہ خان صاحب یوسف زئی نے اپنا خطبہ صدارت پڑھا۔ بعدازاں شعرا نے یکے بعد دیگرے اپنی اپنی نظم سے سامعین کو محظوظ کیا۔ چنانچہ وہ سب نظمیں اسی ترتیب کے ساتھ اس موقع پر شائع کی جاتی ہیں جس ترتیب کے ساتھ مشاعرہ میں پڑھی گئی ہیں۔ آخر میں سکریٹری مشاعرہ کمیٹی نے رپورٹ پڑھی جس کے بعد جناب غلام علی خاں صاحب آنی بی۔اے۔بی۔ٹی نے بحیثیت ممبر مشاعرہ کمیٹی نے انگریزی اور اردو میں تقریر کی۔ رپورٹ میں جو الفاظِ تعریف ان کی نسبت استعمال کیے گئے تھے ان کی بنا پر انہوں نے سکریٹری مشاعرہ کمیٹی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے منجانب کمیٹی تمام حضرات کا شکریہ ادا کیا، جنھوں نے اپنا قیمتی وقت صرف کرکے جلسہ مشاعرہ میں شرکت فرمائی پھر اردو تقریر میں تمام حاضرین کو سلور جوبلی کے تمام ان جشنوں کی جانب توجہ دلائی جو آئندہ منعقد کیے جانے والے ہیں اور کہا کہ آپ اپنے جذبات خلوص و وفاداری کو ظاہر کرتے ہوئے ہر جلسۂ جوبلی کو پوری کوشش کے ساتھ شاندار طریقہ پر کامیاب بنائیں اور جناب چیف کمشنر صاحب بہادر کی اپیل کا حوالہ دیتے ہوئے پرزور الفاظ میں جوبلی فنڈ کو چندہ دینے کی اپیل کی۔ اس تقریر کے بعد سرپرست مشاعرہ نے جلسہ کو ختم فرمایا''۔(۱)

سکریٹری جوبلی مشاعرہ کمیٹی نے جس دعائیہ نظم کا ذکر مذکورہ تحریر میں کیا ہے وہ حسب ذیل ہے جسے غلام نجف قوال درگاہ معلیٰ اجمیر شریف نے پیش کیا تھا:

''الٰہی دہر میں جب تک کہ دورِ ماہ رہے — یہ سلطنت، یہ حکومت، یہ بادشاہ رہے

رہیں جہاں میں جب تک یہ آسمان و زمین — یہ تخت و تاج، یہ دولت، یہ عزّ و جاہ رہے

جہاں پناہ، شہنشاہ، جارج فِفتھ کی ذات — دعا یہ ہے کہ ہمیشہ جہاں پناہ رہے

الٰہی دولت و اقبال روز افزوں ہو | ہمیشہ جیت میں برطانوی سپاہ رہے
ہر ایک سر پہ رہے ظلّ مہرِ قیصرِ ہند | ہر ایک قلب میں کنگ ایمپرر کی چاہ رہے
جو نامراد ہیں دشمن، وہ نامراد رہیں | رہے وہ شاد، جو برٹش کا خیرخواہ رہے
خلوص دل سے ہے اپنی دعا یہی معنیؔ | کہ شاہ پر کرمِ حضرتِ الٰہ رہے"(۲)

سلور جوبلی مشاعرہ کے سرپرست کیپٹن ایل-اے-جی-پنھے نے اپنی افتتاحی تقریر میں جو مختصر خطاب کیا تھا اسے روداد مشاعرہ میں من وعن شامل کیا گیا ہے، اس تقریر کا کچھ حصہ یہاں پیش ہے:

"مولانا حمیداللہ خاں یوسف زئی و مولانا خواجہ عبدالباری معنیؔ اور حاضرین جلسہ! مجھے آج بے انتہا مسرت ہے کہ میں اس جلسہ کا صدر ہوں جو دیر میجیٹز سلور جوبلی کے جشن منانے کی تقریب میں منعقد ہوا ہے۔ اس مشاعرہ کا خیال سب سے پہلے آپ کے سکریٹری مولانا خواجہ عبدالباری معنیؔ کے ذہن میں آیا اور مجھے بہت خوشی ہے کہ میں نے ان کی کوششوں کا ہمت افزا الفاظ میں خیرمقدم کیا، بدقسمتی سے مصروفیات کار کے باعث میں اس جلسہ کے انتظامات میں سے کسی قسم کا کوئی حصہ نہیں لے سکا، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ جلسہ کے تمام مدارج بڑی خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ صدر کمیٹی مولانا حمیداللہ خاں صاحب اور سکریٹری مولانا عبدالباری معنیؔ نے انجام دیے ہیں۔

مشاعرہ ایک بہترین ذریعہ ہے اپنی اس احسان مندی اور وفاداری کو ظاہر کرنے کا جو ہمیں ملک معظم کی ذات گرامی سے ہے، اس مشاعرہ میں وہ شعرا نظمیں پڑھیں گے جو شاعرانہ اقتدار اور ادبی ذوق رکھتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ یہ تمام نظمیں جو آج پڑھی جائیں گی ان کے صحیح جذبات کا بیّن ثبوت ہوں گی۔

میں شاعر نہیں ہوں نہ مجھے فن شاعری سے واقفیت ہے، اس لیے میں نظموں کے معیار کو ان صاحبانِ فن پر چھوڑتا ہوں جو اس کے زیادہ اہل اور ماہر ہیں۔

مجھے اپنی جانب سے نذر کرنے کے لیے اس وقت مناسب موقع و محل مشہور شاعر شیخ سعدیؒ کا یہ مشہور مصرع یاد آتا ہے:

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

اس سال کی بہار ملک معظم اور ملکۂ معظّمہ کی سلور جوبلی کا جشن دیکھ رہی ہے اور یہ بہت ہی مبارک اور ہمایوں موقع ہے۔ ہم سب دعا کرتے ہیں کہ یہ سال بہت ہی مبارک و میمون ہو۔ آمین"(۳)

پروفیسر حمید اللہ خاں یوسف متخلص بہ عرشیؔ نے اپنا طویل خطبۂ صدارت پیش کیا، اس سے یہاں صرف وہی اقتباسات نقل کیے جارہے ہیں جو متعلقہ مشاعرے اور اجمیر کے شعری ادب سے متعلق اہم معلومات فراہم کرتے ہیں:

''اجمیر کو شعر و سخن کے اعتبار سے ہمیشہ ایک ممتاز حیثیت حاصل رہی ہے، گذشتہ ۲۵۔۳۰ سال سے قبل یہاں چند مایۂ ناز شعرا بزم سخن کی مسند آرا رہ چکے ہیں، جو آج ہمارے فخر و مباہات کا معقول ذریعہ ہیں، میر کرامت علی خلشؔ، ڈپٹی امام الدین صاحب اثرؔ، نواب عبداللہ خاں صاحب مطلبؔ، مولانا عبدالصمد کلیمؔ، بسملؔ وغیرہ اجمیر کے گذشتہ شعرا کی تاریخ میں نہایت مہتم بالشان ہستیاں نظر آتی ہیں لیکن محض گذشتہ عظمتوں پر فخر کرنا ضرورتِ وقت کے موافق نہیں، اسی لیے ہم پر عظمت ماضی کی یادگار یعنی اجمیر کے موجودہ شعرا کے کارنامے اس عہد کے ترقی کے سامنے رکھ کر دیکھتے ہیں اور اس پر ہم کو فخر ہوتا ہے کہ اس زمانے کے شعرائے ذیل نے بھی روحِ ادب اور جوہر سخن کو محفوظ رکھا ہے۔

۱۔رضوی صاحب ۲۔بیکل صاحب ۳۔اجین صاحب ۴۔مغل صاحب ۵۔ذبیح صاحب ۶۔آثم صاحب ۷۔اختر صاحب ۸۔پنڈت شنکر دت صاحب ۹۔راز صاحب ۱۰۔منش صاحب ۱۱۔بہار صاحب ۱۲۔میر احدی صاحب ۱۳۔سہیل صاحب ۱۴۔ڈیوڈ صاحب ۱۵۔عرشی صاحب ۱۶۔کاتب صاحب ۱۷۔اکبر صاحب ۱۸۔سونش صاحب ۱۹۔پنڈت کرپا شنکر صاحب ۲۰۔مانی صاحب ۲۱۔بصر صاحب ۲۲۔معنی صاحب ۲۳۔شوقی صاحب ۲۴۔عرشی صاحب۔

ہندوستان میں آج کل جو ترکیب مشاعروں میں پائی جاتی ہے بظاہر یہ ہے کہ اہل مذاق اور اربابِ سخن ایک جگہ جمع ہوجائیں اور کلام سننے سنانے سے لطف اندوز ہوں لیکن حقیقت میں مشاعرہ ادب اردو زبان کا محافظ ہے، یہی مقام ایسا ہے جہاں الفاظ و زبان کے رائج الوقت سکے مقبولیت کی سند حاصل کرتے ہیں اور کھوٹے یا ناقص مسترد کیے جاتے ہیں، اگر یہ تحفظ نہ ہوتا تو زبان اور ادب میں مبتذل خیالات اور سوقیانہ مضامین شامل ہوجاتے، ادبِ اعلیٰ اور لٹریچر کا امتیاز زبان سے اٹھ جاتا، نہ کلام میں تاثیر ہوتی، نہ الفاظ میں زور پیدا ہوتا، شعرا نے رجز، مدح، غزل وغیرہ میں شعر سے جیسا موقع ہو اس کے مطابق ہمیشہ مختلف قسم کے کام لیے ہیں۔

یہ مشاعرہ جو آج ۲۱ مارچ ۳۵ء کو عالی جناب کیپٹن ایل۔اے۔جی۔پنہے آئی۔اے

اسسٹنٹ کمشنر بہادر اجمیر میرواڑہ کی سرپرستی میں حضور ملک معظم جارج پنجم قیصر ہند و شہنشاہ مملکت برطانیہ خلداللہ ملکہ کے سلور جوبلی کے مبارک موقع پر معرض وجود میں آیا ہے، اس کی غایت وغرض یہ ہے کہ ہم وفادار، جاں نثار اور فرمانبردار عیسائی، پارسی، سکھ، ہندو مسلمان رعایا اپنی ان خلوص اور ایثار کے جذبات و کیفیات کا اظہار کریں جو حضور شہنشاہ معظم بالقابہ کے عہد حکومت کے تمدنی، علمی، سیاسی، اقتصادی حالات کے برکات و فیضان سے ہمارے دلوں میں موجزن ہیں، ذیل کے دعائیہ الفاظ ہمارے دلوں کی ترجمانی کرتے ہیں: ع گرچہ محتاج دعا نامدہ مسعودِ ازل۔

دعا: خداوند کریم قیصر و قیصرہ کو عمر خضر عطا فرمائے، خدائے برتر و توانا ان کو حفظ و امان میں رکھے، قادر مطلق ہم ہندوستان کے باشندوں کو آنحضورین کی وفاداری میں ثابت قدم رکھے، ہمارے شہنشاہ کے راج کو خدائے کریم کامیاب اور موجب برکت بنائے۔اے خدائے برتر! قیصر و قیصرہ کو عزت و دولت دائمی عطا فرما اور شاہ خانوادے کے ممبروں کو بھی اعزاز اور شادمانی دائمی عطا کر۔

ناچیز حمیداللہ خاں یوسف زئی (عرشیؔ)

پروفیسر گورنمنٹ کالج، اجمیر"(۴)

عرشی صاحب نے مذکورہ خطاب میں غلامی، تملق اور جی حضوری کا جو انداز روا رکھا، ٹھیک ویسی ہی غلامانہ ذہنیت ان کے حسب ذیل فارسی اشعار سے بھی ظاہر ہوتی ہے:

تاجدار ذی حشم، شاہنشہ گردوں خَیَم — جملہ سلطانان عالم، بر درش مثل خدَم
در اروپا، شان او باشوکت و ذی اقتدار — فیض او در ہند آمد، مایۂ لطف و کرم
ہزمیجسٹی جارج پنجم قیصر اقلیم ہند — در ربودہ گوئے سبقت راز کیکاؤس و جم
نوبہار گلشن دولت، گل باغ جہاں — مہر دنیائے معارف، ماہ دنیائے حِکَم
گلشن علم و ہنر از فیض وے شاداب شد — در زمان عدل وے بریدہ شد دست از ستم
تاج می نازد کہ از فرقش شدہ عالی وقار — تخت می بالد کہ از پایش شدہ والا حشم
آنکہ دست جودش، آمادہ تر از ابر مطیر — ظلّ چتر عالیش گسترده برفرقِ اُمَم
می کند عرشیؔ دعا، ہموارہ از قلب صمیم — چرخ بادا چاکرش، اقبال و دولت سرنجم
زندہ و پایندہ باد ذات شاہنشاہ ما — تا بود رسمے کہ گویند این حدوث و آں قِدم(۵)

سلور جوبلی مشاعرے کی رپورٹ تحریر کرتے ہوئے عبدالباری معنیؔ نے یہ واضح کیا کہ اس مشاعرے کے انعقاد کا خیال سب سے پہلے انہیں کو آیا تھا، رقم طراز ہیں:

جب کہ شہنشاہِ معظم حضور جارج پنجم فرماں روائے انگلستان اور ملکۂ معظّمہ کی مبارک سلور جوبلی کے سلسلہ میں شاندار تیاریاں صرف ہندوانگلستان ہی نہیں بلکہ تمام سلطنت برطانیہ میں کی جارہی تھیں، جس میں حضور ملک معظم کی وفادار اور عزیز رعایا کہ ہر فرد اپنی وفاداری وخلوص عقیدت کے اظہار کا ہر ممکن طریقہ سوچ رہا تھا، میرے خیال میں بے لوث جذبات کے ماتحت یہ بات آئی کہ ایسے مہتم بالشان مبارک وہمایوں موقع پر اپنے دلی جذبات مسرت وعقیدت کے اظہار کے لیے شعرا کی جماعت سے بہتر کوئی ترجمان نہیں ہوسکتا، جیسا کہ مشرقی دنیا میں ہمیشہ تخت نشینی، سالگرہ اور علیٰ ہذا القیاس اسی قبیل کی دوسری شاہی تقاریب میں شعرا کے طبقہ نے اپنی خداداد الہامی قابلیتوں سے کام لے کر اپنے ملک ووطن اور اپنے ابنائے وطن کی طرف سے ترجمانی کا حق ادا اور اپنے حقیقی تاثرات قلبی اور جذباتِ اخلاص کا مظاہرہ کیا ہے اور آج وہ سب کچھ عربی وفارسی، اردو وغیرہ کئی زبانوں میں قصائد، قطعاتِ تاریخ اور نظموں کی شکل میں دنیا کے سامنے موجود ہے۔

لہٰذا اپنے شہنشاہ معظم اور ملکہ معظّمہ کے اس پچیس سال دور حکومت وفرمانروائی کے اس جشن کے سلسلے میں جو مئی کے مہینے میں منایا جانے والا ہے، ایک عام مشاعرہ منعقد کرنے کی تجویز سب سے پہلے میرے ذہن میں آئی، چنانچہ سب سے پہلے میں نے اپنی قومی جماعت یعنی انجمن فخریہ چشتیہ خدام خواجہ اجمیر کے بعض ارباب حل وعقد ارکان سے مشورت اور گفتگو کی تو میری ہمت اور زیادہ بڑھ گئی اور میں نے عملی قدم آگے بڑھایا یعنی اپنے ضلع کے ہر دلعزیز مہربان حاکم جناب کیپٹن ایل، اے، جی، پنہے اسسٹنٹ کمشنر بہادر اجمیر واڑہ کے روبرو اس تجویز کو پیش کرنے کا اتفاق ہوا، کیوں کہ صاحب ممدوح اگر ایک طرف اپنی ذمہ داریوں کی کماحقہ ادائیگی میں مصروف ومنہمک ہیں تو دوسری جانب فارسی اور اردو ادب کے ساتھ بھی کافی

دلچسپی اور شغف رکھتے ہیں، چنانچہ انعقاد مشاعرہ کی اس تجویز کو پسند کرتے ہوئے صاحب موصوف نے حوصلہ افزا الفاظ میں خوشنودی کا اظہار فرمایا اور جوبلی مشاعرہ کی سرپرستی قبول فرمائی۔ اس کے بعد باب میں مولانا حمید اللہ خانصاحب یوسف زئی پروفیسر گورنمنٹ کالج و آنریری مجسٹریٹ اجمیر سے گفتگو کی نوبت آئی اور مولانا نے میری اس تجویز کا پرجوش خیر مقدم کیا''۔(۶)

سلور جوبلی مشاعرے کی روداد کی طباعت کے سلسلے میں معنیؔ صاحب نے یہ اطلاع بھی بہم پہنچائی کہ:

''جوبلی مشاعرہ کا یہ اجلاس آج ۲۱ مارچ ۱۹۳۵ء کو جشن جوبلی کی تاریخ معینہ سے ڈیڑھ ماہ پہلے اس لیے منعقد کیا گیا ہے کہ جشن جوبلی کے موقع پر یہ مشاعرہ ایک کتاب کی صورت میں چھپوا کر حضور ملک معظم اور ملکہ معظّمہ کے حضور میں انگلستان بھیجا جاسکے اور انگلستان و ہندوستان میں اس کی بروقت اشاعت ہوسکے نیز یہ بھی خیال ہے کہ شاید ہمارے مشاعرہ کو انہیں دنوں میں منعقد کرنے سے جشنوں کے پروگرام میں کہ جس کا وزنی ہونا ضروری ہے ایک خلل انداز اضافہ نہ ہوجائے''۔(۷)

مداحی اور قصیدہ گوئی بلکہ اظہار نمک خواری کا یہ مشاعرہ شروع ہوا سب سے پہلے اجمیر کے معروف اور ہردلعزیز شاعر مرزا مغل بیگ مغلؔ اجمیری نے اشعار پیش کیے:

ہند قربان ہے سرکار اسے کہتے ہیں — ملک حیران ہے دربار اسے کہتے ہیں
نظرِ لطفِ شہنشاہِ معظم کے نثار — نظرِ رحمتِ غفّار اسے کہتے ہیں
عدلِ کسریٰ کا نمونہ ہے یہ عدلِ قیصر — ایک ہی شان کی تکرار اسے کہتے ہیں
بکری و شیر کو اک گھاٹ پلایا پانی — ہم تو انصاف کا معیار اسے کہتے ہیں
خوب کی اپنے شہنشاہ کی تعریف مغلؔ — جذبۂ قلب نمک خوار اسے کہتے ہیں

سید اختر حسین اخترؔ مودودی کے اشعار ان کی قادرالکلامی کی دلیل ہیں:

اے منبع سخاوت، فضل خدا کے مظہر — ظل پناہِ عالم، سلطان ہفت کشور
اے صاحب عدالت، خورشید چرخ حکمت — نوشیروانِ ثانی، غیرت دہِ سکندر

اقبال و عقل و دانش، جاہ و جلال و شوکت   ہر وقت دست بستہ، رہتے ہیں تیرے در پر

شاہوں کا شاہ ہے تو، سب کی پناہ ہے تو   بے شک ہے تیرا جھنڈا سب سے بلند و برتر

تاریخ کہہ یہ اخترؔ، دشمن کا سر اڑا کر   اب شاہ تیرے دشمن دنیا میں ہوں نگوں سر[۱۹]

مولوی سید محمد ایوب منشؔ مودودی نے جشن تہنیت کے دوران جو لوازم پیش نظر رہے ان کی عکاسی اس طرح کی ہے:

یہ کیسی خوشی اور یہ کیسی ہے مسرت   دنیا میں ہے اس جوبلی کے جشن کی شہرت

جلسے ہیں کہیں اور کہیں ڈانس کی مجلس   ہے بینڈ کہیں اور کہیں محفل بہجت

بجلی کی وہ ضو جس سے خجل ماہ منوّر   شرمندہ کواکب ہیں چراغوں کی وہ کثرت

بندوقوں کی باڑیں ہیں تو توپوں کی دنا دن   پلٹن کی قواعد، تو رسالے کی ہے کثرت

وہ کون؟ شہنشاہِ زماں، جارجِ پنجم   دنیا کے ہر اک گوشہ میں ہے جن کی حکومت

یہ جشن خوشی تم کو کوئن میریؔ مبارک   خالق نے دکھایا تمھیں یہ روزِ مسرت

دل سے یہ منشؔ کی ہے دعا ہر ہے جب تک   زندہ رہیں میریؔ، تو رہیں جارجؔ سلامت

بعض شعرائے کرام نے مروجہ قصائد کی تشبیب میں پیش کیے جانے والے بہاریہ موضوعات کے بعد اصل موضوع پر اظہارِ خیال کیا ہے چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

ہزار شکر خداوند ایزد غفار   ہزار شکر کہ آئی چمن میں تازہ بہار

شمیم بانٹتی پھرتی ہے عطر پھولوں کا   سرور و عیش سے شاداں ہیں ساکن گلزار

یہ بے سبب کہیں خوشیاں ہیں باغ عالم میں   حضور جارج کی جوبلی ہے آج گوہر بار

ادا سے بلبلیں کہتی ہیں لطف جب آئے   کہ تہنیت میں پڑھوں کوئی مطلع انوار

ادائے شکر میں سرگرم خواجہ اکبرؔ ہے   کہ اور اس سے سوا شکوہ و عز و وقار

(خواجہ سید اکبر حسین اکبرؔ)

عجب پُر محبت ہوا چل رہی ہے   زباں پر ہر اک شخص کے جوبلی ہے

ہے غنچے کے لب پر ترانہ خوشی کا   نسیم بہار آج اٹھلا رہی ہے

کہیں بج رہے ہیں مسرت کے باجے   کہیں شان سے برق کی روشنی ہے

مبارک ہو تم کو شہِ جارج پنجم کہ اللہ نے یہ دکھائی گھڑی ہے
تجھے فکر تاریخ، سونشؔ ہے کیا، لکھ سی و پنج و نہ دہ سنِ عیسوی ہے
(حافظ عبدالغفار سونشؔ)

نغمہ زن ہے بلبل صحن چمن وجد میں ہے سنبل نازک بدن
اے اپالو! مطربِ دلکش نوا لا تری رنگینیاں، محفل میں آ
کیف میں ڈوبا ہوا ہے آسماں پھر رہی ہیں مستیاں مدہوشیاں
چھیڑ دے تو بھی ذرا مضراب لَے ہمنوا مانیؔ مبارک باد دے
کر عنایت اے مرے ربِّ جلیل دیر مجسٹیز کو عمرِ طویل
(مسٹر غلام علی خاں مانیؔ)

مسرت کا زمانے کے لیے پیغام آتا ہے بہار آئی ہے اب دور مئے گلفام آتا ہے
مبارک ہو مبارک ہو، کا غل ہے باغ عالم میں یہی نغمہ مرے کانوں میں صبح و شام آتا ہے
مبارک ہو کہ عہد جشن سلور جوبلی اے دل بصد تعظیم آتا ہے، بصد اکرام آتا ہے
دعا دیتا ہوں میں دل سے شہنشاہ معظم کو دعا گو ہوں، دعا گو کو یہی اک کام آتا ہے
رعایا کیوں نہ پھر دل شاد ہو سید نظام الحق عطا پاشی پہ شہ کا ابر فیض عام آتا ہے
(شاہ سید نظام الحق)

رقص میں ہیں کس لیے لیل و نہار وجد میں ہے کیوں ضمیر روزگار؟
دوڑتی پھرتی ہے کیوں موج نسیم جوش میں ہے کیوں شبابِ برگ و بار
دھو رہا ہے کس لیے سقّائے ابر چہرۂ گلزار سے گرد و غبار
قیصر ہندوستاں کنگ ایمپرر جارج پنجم خسروِ عالی تبار
ہمچو سعدی مے کند عبدالعظیم ایں دعائے برق رُو درویش وار
دولت نوئین اعظم شہر یار باد تا باشد بقائے روزگار
(منشی شیخ عبدالعظیم برقؔ)

پھر جانفزا بشارت بادِ نسیم لائی آئی بہار آئی، آئی بہار آئی

ہرشاخ گل چمن میں ساغر بکف ہے گویا
ہر پھول تاج برسر اور زر بکف ہے گویا

سب جشن جوبلی کی خوشیاں منا رہے ہیں
نغموں میں یہ دعائیں طائر بھی گا رہے ہیں

ہوں کامراں الٰہی کنگ ایمپرر ہمیشہ
ہردم رہے جلو میں فتح و ظفر ہمیشہ

سرپر رہے ہمیشہ کنگ ایمپرر کا سایہ
معمور مملکت ہو، مسرور ہو رعایا

(صاحبزادہ منشی سید محمد عالم، عالمؔ)

مبارک ہے یہ جشن جوبلی سرکار برٹش کا
کہ ہرسو سلوری گلہار ہے گلزار برٹش کا

ہرکہ سو چہچہے ہیں عندلیبان رعیت کے
ہراک نغمہ علم بردار ہے سرکار برٹش کا

رہین منتِ نکہت فقط ہندوستاں کیا ہے
معطر کررہا ہے ورلڈ کو گلزار برٹش کا

ہمیشہ جوبلی ہو، جارج پنجم شاہِ اعظم کی
رہے تا حشر یارب یہ مہ ضوبار برٹش کا

گیارہ شعر میں تعریف برٹش کیا لکھوں کاتبؔ
ہتھیلی پر دکھاؤں کس طرح گلزار برٹش کا

(منشی محمد عبدالحفیظ کاتبؔ اکبرآبادی)

میکشو مژدہ! کہ بدلی ہے زمانے کی فضا
انجمن آرا ہوا ہے ساقی فرخندہ فال

بادہ نوشوں کے لیے پھر زینت پیمانہ ہے
وہ شراب کہنہ جس کو ہوگئے پچیس سال

آج تک باقی ہے جس کے دورِ اول کا خمار
آج تک جس کا تصور ہے ہم آغوشِ خیال

چار دانگِ مملکت میں جوبلی کی دھوم ہے
اہتمام جشن میں سرگرم ہیں اہل کمال

تاجِ دولت کو مبارک ہو یہ سلور جوبلی
خسروِ عالی گہر دیکھے مکرّر جوبلی

(ڈاکٹر محمد عثمان سہیلؔ)

چل رہی ہے آج جو بادِ سحر یوں مشک بار
کیا کسی صورت سے شب کو کھل گئے گیسوئے یار

مچ رہا ہے تہنیت کا ہرطرف کیوں غلغلہ
جارہے ہیں سوئے لندن آج کیوں دنیا کے تار

بارک اللہ مدتوں کے بعد آئی وہ گھڑی
جس کے نظّارہ کو واتھی اپنی چشم انتظار

ہے حضور جارج پنجم کی یہ سلور جوبلی
باغ عالم میں زرگل کیوں نہ برسائے بہار

میرؔ بھی لایا ہے بہر نذر کچھ نقد سخن
اے شہِ ذی اقتدار واے شہ عالی وقار

(شیخ محمد علی میرؔ احدی اجمیری)

ساقیا! دیر نہ کر، پاؤں بڑھا، جلدی چل
وقت ٹل جائے نہ یہ ہاتھ سے، ہاں لا بوتل
جارج پنجم کی خدا رکھے ہے سلور جوبلی
عیش و عشرت کا ہر اک سمت ہے چھایا بادل
احسنؔ خستہ کی یہ دل سے دعا ہے ہر دم
روز افزوں ہو مرے شہ کا الٰہی کَس بَل
عمر و اقبال میں ہو اس کے ترقی دائم
شاد و آباد تو رکھ جارج کو اے عزّ و جل
خیر خواہوں کو میسر ہوں ہمیشہ خوشیاں
اور دشمن کا سدا آ کے گلا گھونٹے اجل

(مولوی محمد ایوب احسنؔ اجمیری)

جس طرف دیکھیے اٹھا کے نظر
گوشہ گوشہ غیرتِ گلزار
غنچے ہنستے ہیں، پھول کھلتے ہیں
جھوم کر گا رہے ہیں آج ملہار
چل رہی ہے نسیم عیش و طرب
کہہ رہا ہے ہر اک در و دیوار
''تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار''
نقرئی جوبلی ہے آج ان کی
ہیں اسی جشن کے یہ سب آثار

(ڈاکٹر محمود خاں آثمؔ اجمیری)

صبا پیغام سلور جوبلی لائی گلستاں میں
نمایاں ہے اثر ہر غنچہ و گل پر تبسم کا
پرندے نغمہ زن ہیں شاخ گل پر فرط بہجت سے
بپا ہے حشر میدانِ گلستاں میں ترنم کا
جہانِ آب و گل کا ذرّہ ذرّہ کیف ساماں ہے
لب تصویر پر بھی ہے اثر موج تبسم کا
بہارؔ خوشنوا اک بندۂ بے دام ہے ان کا
دعا دے کر انہیں طالب ہوا ہے پھر ترحّم کا
فلک پر دور ہے جب تک کہ مہر و ماہ انجم کا
ستارہ اوج پر چمکے الٰہی جارج پنجم کا

(محمود الحسن خاں بہارؔ کوٹی)

مذکورہ مثالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جوبلی مشاعرے میں پیش کردہ کلام میں شعرائے اجمیر نے اردو کی قصیدہ نگاری سے کسب فیض کرتے ہوئے موسم بہار، شراب، شباب، رباب، بادِ نسیم، مہ و انجم، گل و بلبل، برق و باراں، عندلیب، موسیقی وغیرہ کی اصطلاحات کا سہارا لے کر تمہید باندھی اور بعد ازاں مدحیہ اشعار تخلیق کیے، کہیں کہیں گریز کا پہلو بھی نظر آیا، کہیں مادۂ تاریخ نکال کر تخلیق کو تاریخی حیثیت دی گئی اور مبالغہ آرائی بھی اپنا جلوہ دکھاتی رہی لیکن اس کے برعکس بعض شعرا براہِ راست اظہار مقصد پر آ گئے، مثلاً:

لائی ہے اللہ اکبر کیا مقدر جوبلی
جوبلی ہے جارج پنجم کی یہ سلور جوبلی

ہو کے شاہنشاہ اعظم کی یہ سلور جوبلی
بن گئی اپنے مقدر کی سکندر جوبلی
منتظر جس جوبلی کی آمد آمد کے تھے ہم
آ گئی ہے آج عالم میں سلور جوبلی
منعقد ہے آج بزم جوبلی ہر ہر جگہ
بن رہی ہے رشک فردوس وارم ہر جوبلی
آ رہی ہے ہر طرف سے آج شوقیؔ یہ صدا
ہو مبارک جارج پنجم کو یہ سلور جوبلی
(مولانا حکیم محمد صدیق شوقیؔ)

جشن جوبلی تجھے مبارک ہو
اے شہنشاہ ہند و انگلستاں
اے سکندر فریدوں فر حشم
اے فلک آستاں، شہ ذیشاں
علم و تہذیب و سائنس جو کچھ ہے
تیری شاہی کا ہے یہ سب فیضان
ہو تجھے شاہ عمرِ خضر نصیب
اور زیرنگیں ہو کل یہ جہاں
ہے شہ وقت کی اطاعت فرض
جانتے بوجھتے نہ بن انجاں (۸)
(ایس محمد وزیر بصرؔ اکبرآبادی)

آئی پیغام سرور و عیش لے کر جوبلی
ہو مبارک بادشاہِ ہفت کشور جوبلی
یوں تو ہوتی رہتی ہے دنیا میں اکثر جوبلی
پر نہیں دیکھی ہے ہم نے اس سے بڑھ کر جوبلی
ہندو، مسلم، پارسی، عیسائی، سکھ سب شاد ہیں
من رہی ہے گہری دلچسپی سے گھر گھر جوبلی
گولڈن پیغام لائی ہے یہ دنیا کے لیے
ڈائمنڈ جبلی کی قاصد ہے یہ سلور جوبلی
قلب عرشیؔ کی دعا ہو یا الٰہی مستجاب
یعنی مسعود و مبارک ہو یہ سلور جوبلی
(سید محمد محمود عرشیؔ اجمیری)

اے شہنشاہ معظم ذی حشم
حق نے شاہوں پر عطا کی برتری
ہفت کشور ہیں ترے زیر نگیں
زیب سرتاج و کلاہِ سروری
ہے یہ جشن جوبلی کا احتشام
ہیں جلو میں شہ کے سارے لشکری
اختر اقبال چمکے تا ابد
ہو مبارک، ہو مبارک قیصری
باریابی اس لیے حاصل ہے رازؔ
رنگ لایا تیرا رنگ شاعری
(منشی سید سرفراز علی رازؔ اجمیری)

جوبلی مبارک ہو، کنگ جارج ففتھ کو
خاندان شاہی کو، یہ دعا ہے برزباں

دور ساری آفتیں، دور ساری کلفتیں ہوں حصول راحتیں، ایمپرر کو بیگماں
ہاں کرم کر اے خدا، عمر شاہ کی بڑھا راج یہ رہے سدا، ہو رعایا شادماں
اے الٰہ العالمین، لامکان کے مکین ہو یہ تاج، یہ نگیں اور ہو یہ حکمراں
خوش رہے یہ ایمپرر، کنگ جارج خوش سیر اے خدا تو فضل کر، بخش عیشِ جاوداں

(خان صاحب مسٹر اے، این، ڈیوڈ)

شاہ کا نام لے، دعائیں دے تہنیت نامہ دے، بلائیں لے
جس کا لشکر سپاہِ انجم ہے وہ شہنشاہ، جارج پنجم ہے
اہل ہندوستاں و انگلستاں ہورہے ہیں تمام تر شاداں
خوش رہیں اے خدائے پاک مدام ملکہ اور شاہزادے تمام
شاہ کو یہ خوشی مبارک ہو نقرئی جوبلی مبارک ہو

(مولوی سید اعجاز علی اعجازؔ اجمیری)

ریل میں، اسکول میں، دفتر میں جشن جوبلی ہے مسرت خیز دنیا بھر میں جشن جوبلی
شاہ کی پچیس سالہ حکمرانی کے سبب ہورہا ہے آج کل گھر گھر میں جشن جوبلی
قیصر و جمشید و دارا ہی پہ کیا موقوف ہے ہورہا ہے آج کل گھر گھر میں جشن جوبلی
ہے یہ خلاق دوعالم سے ہماری التجا ہو ابد تک شاہ کا گھر گھر میں جشن جوبلی
کوئی بیخود ہے کوئی مدہوشِ عشرت ہے ذبیحؔ جوش دکھلانے لگا ہر سر میں جشن جوبلی

(مسٹر ایس، ڈی، جون، ذبیحؔ)

شاہنشہِ ہندوستاں زیبا ہے تجھ کو افسری اللہ نے بخشی تجھے سارے جہاں پر برتری
صولت میں تو بہرام ہے، ملکوں میں تیرا نام ہے ہے آج تیرے نام سے خورشید و مہ کو تھرتھری
سلطان عالی جاہ کا، ہے جشن سلور جوبلی تحفہ مبارک باد کا کر پیش پیشِ سروری
دورِ حکومت میں ترے، حکام ہیں جو جو یہاں ان افسروں کی شان کے شایاں ہے بیشک افسری
سن مضامین کو ترے بیکلؔ، سخنور کہتے ہیں مضمون ایسے ہوتے ہیں کہتے ہیں اس کو شاعری

(منشی عبدالغفور خاں بیکلؔ اجمیری)

اے شہنشاہ جارج ففتھ ترا ہو بلند آفتابِ اوجِ کمال

تیری پچیس سالہ جوبلی ہے ہے رعیت تری خوشی سے نہال
کوششِ امن سے ہے تیری شہا یورپ اور ایشیا میں استقلال
ہے دعا دل سے تیرے رضوی کی تو سلامت رہے ہزاروں سال
سلطنت تو کرے بہ کرّوفر روز افزوں ہو تیرا جاہ و جلال

(سیدعنایت علی رضوی سابق ایڈیٹر ''راجپوتانہ گزٹ''اجمیر)

بعض شعرا نے اردو اور فارسی میں ملے جلے اشعار کہے تو کچھ نے صرف فارسی میں اپنے جذبات کا مظاہرہ کیا، پروفیسر محمد حمیداللہ خاں یوسف زئی عرشی کی فارسی غزل سے اشعار پیش کیے جاچکے ہیں۔ معنی اجمیری نے بھی اپنا تہنیت نامہ جارج پنجم کے حضور بہ زبان فارسی ایک غزل کی صورت میں پیش کیا تھا جس کے چند مرصع اشعار ملاحظہ کیجیے:

ترا زیبد جہاں داری، ترا زیبد جہانبانی بایں تخت شہنشاہی، بایں اکلیل سلطانی
جہانگیری، جہانداری، جہانبانی، جہاں شاہی بذاتِ با صفاتِ تو، خدا فرمود ارزانی
شہنشاہِ معظم، جارج پنجم، خسروِ ذیشاں بجا باشد اگر گویم ترا بے مثل و لاثانی
مبارک باد اے فرماں روائے ہندوانگلستاں بعمر خویش افزونی، بملک خود فراوانی
سراپا باغِ اوصافش، بہارِ بےخزاں دارد چہ گلہا چینم اے معنی بایں کوتاہ دامانی

فارسی و اردو کے شعرائے کرام کی طرح سنسکرت کے کوی پنڈت ودھیا بھوشن کرپا شنکر شاستری اور پنڈت شنکر دت شاستری نے بزبانِ ہندی اپنے تاثرات کا مظاہرہ کیا۔

سنسکرت اور ہندی کویتاؤں میں تخلیق کاروں کا جوش وخروش اور اسلوبِ شاعری فارسی اور اردو کے شعرا کی طرح اپنی قادرالکلامی کو حسن وخوبی پیش کرنے کی مثالیں فراہم کرنے میں کامیاب معلوم ہوتا ہے۔

حواشی

(۱) ''دیئر میجٹیز جوبلی مشاعرہ''، ص ۵، مطبع کلکتہ آرٹ پریس، دہلی ۱۹۳۵ء۔ (۲) ایضاً، ص ۷۔ (۳) ایضاً، ص ۸۔ (۴) ایضاً، ص ۲۰۔ (۵) ایضاً، ص ۴۴۔ (۶) ایضاً، ص ۴۹۔۵۰۔ (۷) ایضاً، ص ۵۰۔ (۸) ایسا معلوم ہوتا ہے گویا یہ شعر بصرا اکبرآبادی نے ان شعرائے کرام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہوگا جو اس وقت اجمیر میں موجود تھے اور سلور جوبلی مشاعرے میں اس لیے شریک نہیں ہوئے تھے کہ انگریزوں کی تعریف وطن سے غداری اور مجاہدین آزادی کی قربانیوں کی توہین کے مترادف ہے۔ (شاہین)

اردو ادب میں علاقائی تہذیب

کشمیر کے حوالہ سے

☆ جناب ریاض احمد

درجہ بندی کے اعتبار سے اردو زبان ہندوستان کی ثانوی زبان کا درجہ رکھتی ہے۔ برصغیر میں جب اردو زبان ابتدائی ادوار میں ترقی کی منزلیں طے کر رہی تھی تو اس وقت یہ زبان علاقائی طور پر دو قسموں میں بٹی ہوئی تھی ایک لاہوری اردو دوسری دہلوی۔ پنجاب اور لاہور جغرافیائی قربت کی وجہ سے کشمیر میں اردو زبان کا چلن شروع ہوا تو اس کے اثرات تیزی سے نمودار ہوئے۔ اس کی ترقی میں کشمیر کے صوفیائے کرام کا بڑا حصہ رہا۔ انھوں نے اردو زبان کے چھوٹے چھوٹے کتابچے چھپوا کر لوگوں میں بانٹے، اس سے اردو رسم الخط کو بھی فروغ ملا۔

گذشتہ ایک صدی سے زیادہ عرصے میں اردو نے سرزمین کشمیر میں جس برق رفتاری کے ساتھ ترقی کی ہے وہ اردو کو یہاں کے مستقبل کی سماجی اور تخلیقی زبان ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ قاضی گنڈ سے لے کر کپوارہ تک وادی کشمیر میں اردو زبان اپنے عوام پسند لہجے اور شرینی کے لئے مشہور ہے۔ کشمیری شاعر غلام رسول نازکی کہتے ہیں:

ع: ''کشمیر میں رہتا ہوں اردوئے معلیٰ لکھتا ہوں''۔(۱)

اردو ادب کی حیثیت فی زمانہ مروجہ سماج اور تعلیمی قواعد وضوابط کے طفیل نہیں ہے بلکہ ۱۸۸۵ء ہی سے اس کو سرکاری زبان کے درجے پر فائز کیا گیا تھا۔ اردو کشمیری زبان کے ساتھ ساتھ اس ادب کے جملہ اوصاف پر بھی اثر انداز ہوگئی۔ کشمیری غزل، نظم، مثنوی، افسانے، ناول، صحافت، ڈرامے نے ہیئتی اسلوبیاتی سطح پر ہی نہیں بلکہ موضوعاتی، جمالیاتی اور لسانی اعتبار سے بھی اپنی وسعت

☆ ریسرچ اسکالر شعبہ اُردو، او۔ پی۔ جے۔ ایس یونیورسٹی، چُورو، راجستھان۔ فون نمبر: ۹۵۹۲۰۸۸۳۲۶۔

اورتوقیر کے لیے اردو ادب کے متنوع سرمائے کی طرف ترغیب پائی۔کشمیری زبان کے اولین ناقدین میں عبدالاحد آزاد، دینا ناتھ ناد، رحمٰن راہی، امین کامل، حامدی کاشمیری، رتن لال شانت، محمد یوسف ٹینگ، لال کول، ارجن دیو مجبور، آخرت محی الدین، حاجی مرغوب بانہالی، وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

۱۹۴۷ء کے بعد ریاست جموں وکشمیر میں عوامی حکومت قائم ہوئی اور آئین کا مسودہ تیار کیا گیا جسے 'نیا کشمیر' کا نام دیا گیا۔اخبارات کے ذریعے بھی اردو زبان نے کشمیر میں اپنی اہمیت کو مسلم کیا، مثلاً ''بدیابلاس'' اخبار جو جموں سے شائع ہوتا تھا، اس کے جاری ہونے سے ریاست جموں وکشمیر میں اردو زبان کو فروغ ملا۔آدھا اردو ہونے کی وجہ سے پورے علاقے میں اس کی قدر و قیمت تھی۔(۲)

اخبارات نے بھی جموں وکشمیر میں اردو ادب کی خدمات انجام دینے میں کوئی کمی نہ کی۔ تہذیب وتمدن، رہائش، حالات کا بیان، یہ سب بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا گیا ان میں ''رنبیر اخبار'' نمایاں مقام رکھتا ہے، اسی طرح ۱۹۳۲ء میں لامتنا، پاسباں، صداقت، جہانگیر ۱۹۳۳ء میں ''الانوار، نوجوان، رہبر، کشمیر جدید، ۱۹۳۴ء میں برق پیغام آزادیٔ نسواں وغیرہ وغیرہ۔دورِ حاضر تک ان اخبارات نے کشمیر کے ایک علاقے کو دوسرے سے واقف رکھنے اور ایک علاقے کی زبان، بولی کی تہذیب اور طرز وطریقہ کی بڑی حفاظت کی۔مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں اردو کی علمی وادبی افادی اہمیت کے پیش نظر ریاست جموں وکشمیر میں اردو کو ذریعۂ تعلیم بنایا گیا۔اسکولوں، کالجوں، عدالتوں اور دفتروں میں اسی کا استعمال ہونا شروع ہوا۔انیسویں صدی آتے آتے ریاست جموں وکشمیر میں سیاسی تبدیلیوں کی بدولت اردو زبان کی اہمیت بڑھی اور یہی وہ دور ہے جب ڈوگرہ سلطنت نے جموں وکشمیر کی ریاست میں اردو زبان کو سرکاری درجہ دیا۔یہ دور ۱۸۸۹ء کا ہے۔

اردو زبان وادب میں کشمیر کے تہذیب وتمدن کی عکاسی جابجا ملتی ہے، جیسا کہ فوقؔ کے اردو افسانوں کا حال ہے۔اس کے بعد ریاست میں اس صنف کو چراغ حسن حسرت نے آگے بڑھایا۔ حسرتؔ کے افسانے کشمیر کی وادیوں کی خاموشیوں میں طوفان کا کام کرتے ہیں۔پریم ناتھ پردیسی نے اپنے افسانوں میں کشمیر کے لوگوں کے درد وکرب، جور وجبر، غربت وافلاس کو جگہ دی۔کشمیری علاقائی بول چال کا استعمال پریم ناتھ پردیسیؔ نے بہت خوب کیا ہے۔ان کے افسانوں میں کشمیری خوبصورتی کی جھلک منظر نگاری، واقعہ نگاری، مربوط پلاٹ، مقصدی نقطہ نظر بڑی نفاست اور صاف ستھرے

انداز میں ملتا ہے۔ کشمیری بولی میں استعمال کیے جانے والے الفاظ کو بڑی خوبی کے ساتھ نبھایا ہے۔

کشمیر کی تہذیب و تمدن کو خوبصورت شکل میں پیش کرنے والے حامدیؔ کاشمیری ہیں۔ ان کے افسانے سیراب، سندری، وادی کے پھول وغیرہ کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ حامدیؔ کاشمیری نے برف اور آگ دو لفظوں میں افسانے کی مناسبت سے کشمیری تہذیب کی زندگی کی عکاسی کی ہے۔ کرشن چندر اردو زبان و ادب کے افق پر ایک درخشاں ستارے کی مانند ہیں۔ خوبصورتی کا ذکر آئے یا موسمِ سرما کی سردی کا وہ اپنے افسانے میں کشمیر کی تہذیب، ثقافت، خوبصورتی کے حسین پیکر تراشتے نظر آتے ہیں۔

اردو ڈراموں میں بھی کشمیری تہذیب و ثقافت کا اثاثہ سنبھال کر رکھا گیا ہے۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں ڈرامہ کمپنیوں نے ریاست جموں و کشمیر کا رُخ کیا۔ عبدالقادر سروری اس تناظر میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

> ”یہ کمپنیاں جموں و کشمیر میں اپنے کھیل دکھاتیں جن کو دیکھنے کے لیے لوگ جوق در جوق آتے اور جب لوگ کھیل دیکھ کر نکلتے غزلیں اور گیت ان کے کانوں میں رچے ہوتے اور گنگناتے جاتے۔ ایک نئی تہذیب و زبان کو اپنے بول چال کی زبان میں لب و لہجے میں ملاتے“۔(۳)

آغا حشر کاشمیری کے مشہور ڈرامے ہیملیٹ، خوبصورت بلا، اور الٰہ دین کا چراغ، وغیرہ کے ذریعے اردو زبان و تہذیب ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں منتقل ہوتی گئی۔ انہوں نے جموں و کشمیر کے خوبصورت مناظر کے ذریعے اپنے ڈراموں کے اسٹیج کی شان و شوکت دوبالا کی۔

جموں و کشمیر میں جن دیگر نمائندہ ادبا و شعرا نے اپنی تصانیف کے ذریعے اردو زبان کو فروغ دیا ان میں پنڈت ہر گوپال کول خستہؔ منفرد حیثیت رکھتے ہیں جنھوں نے ایک قصہ ”گلزارِ فوائد“ کے علاوہ ایک جغرافیائی اور تاریخی تصنیف ”گلدستۂ کشمیر“ لکھی۔ اس کتاب میں انھوں نے کشمیر کی خوبصورتی کے اظہار میں کمال کر دیا ہے۔ متعدد اخبارات میں بھی خستہ نے اپنے مقالے، انشائیے جیسا کہ تحفۂ کشمیر، وادیِ بے نظیر، دیش پکار، خیر خواہِ کشمیر، وغیرہ کے ذریعے کشمیری تمدن کو دنیا کے سامنے پیش کر دیا، کشمیری تہذیب کی عکاسی اور ترجمانی میں خستہؔ اہم مقام رکھتے ہیں۔

زبان جس جگہ اور جس علاقے میں بھی پلتی اور بڑھتی ہے مقامی اثرات سے وہ پر ثروت ہوتی جاتی ہے، کشمیری تہذیب و تمدن کی عکاسی شعرا کا محبوب موضوع ہے۔ایک شاعر یوں گویا ہوئے ہیں:

جہاں پر برف گرتی ہے جہاں پتھر کے نیچے پھول کھلتے ہیں
جہاں چشمے ابلتے ہیں جہاں بارش برستی ہے
برستی بارشوں میں بھی، جہاں کوہسار جلتے ہیں چلو کشمیر چلتے ہیں

کشمیر کی تہذیب اردو ادب میں صاف وشفاف پانی کی مانند سرایت کرگئی اور ایک دوسرے میں مکمل گھل مل گئی۔ایک جگہ گلزار کہتے ہیں:

جھکائے گردنیں آتے ہیں ابر نادم ہیں

علامہ اقبال کا یہ شعر کشمیریوں کی حالت کا سب سے بہتر اور سچا عکاس ہے:

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایران صغیر

اقبال سے پہلے غالب کہہ چکے تھے:

میرؔ کے شعر کا احوال کہوں کیا غالبؔ جس کا دیوان کم از گلشن کشمیر نہیں

غالب و اقبال کے درمیان پیر زادہ غلام محمد مجورؔ ۱۸۸۷ء میں پیدا ہوئے ان کا تعلق شمالی کشمیر سے تھا ان کی شاعری مسلمانوں کے لیے رہبر و رہنمائی کا درس دیتی ہے۔وہ کہتے ہیں انسان آتے جاتے رہتے ہیں مگر ان کے اصول ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور جو لوگ اصولوں کی خاطر زندہ رہتے ہیں، وہ اپنا مقام دنیا میں بلند و بالا کرتے ہیں،ان کی نظم ''آزادی'' اردو ادب میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔

حواشی

(۱) تاریخ اردو ادب،نورالحسن نقوی،ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ۔(۲) جموں وکشمیر میں اردو ادب کی نشونما، دیپ پبلیکیشن،نٹی پورہ،سرینگر کشمیر۔(۳) کشمیر میں اردو حصہ دوم،سرعبدالقادر سروری۔

اخبار علمیہ

دو اہم علمی منصوبے

ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن، پھلواری شریف، پٹنہ گذشتہ دس برسوں سے اہم علمی و تحقیقی کاموں میں مصروف وسرگرم ہے۔اس ادارہ کے سربراہ مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب ہیں۔ پندار، پٹنہ میں شائع ایک مضمون کے مطابق ان کے زیر نگرانی اس ادارہ نے ۲۰ جلدوں میں تفسیر قرآن اور ۶۰ جلدوں میں فتاویٰ علماء ہند کی اشاعت کا نہ صرف منصوبہ بنایا ہے بلکہ کام کا آغاز بھی کردیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ گذشتہ ۱۴ صدیوں سے اصحاب فکروفن نے متعدد نوعیتوں سے خدمت قرآن کا فریضہ انجام دیا ہے۔ چنانچہ احکام القرآن، قصص القرآن، اسرار القرآن، ارض القرآن، فلکیات قرآن پر مشتمل آیات پر بعض محققین نے غوروفکر کرکے ان کو علمی و تحقیقی دنیا کے سامنے علاحدہ فن کی حیثیت سے پیش کیا۔ جن سے شائقین علوم قرآنیہ مستفید ہورہے ہیں۔آج جب کہ سائنسی ترقیات نے گلوبلائزیشن کے نئے دور کا آغاز کردیا ہے اور پوری دنیا سمٹ کر ایک چپ میں سما گئی ہے،انسان نے چاند سے مریخ تک کا سفر طے کرنے میں کامیابی حاصل کرلی،شمس وقمر کی رفتار ناپ لی گئی ہے۔ضرورت ہے کہ قرآن کریم کی وہ آیات جن کا تعلق نعمت الٰہی،انسانی تخلیق،حیوانات،فلکیات،جغرافیہ اور تاریخ سے ہے اور جن پر پیشرو مفسرین و محققین نے اہم کام کیا ہے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے جدید سائنسی حقیقتوں کی روشنی میں ایسی تفسیر تیار کی جائے جس کی حیثیت انسائیکلوپیڈیا کے طور پر ہو اور قرآن سے متعلق تفسیری،تاریخی، جغرافیائی،فلکیاتی یا جس نہج سے جو کاوشیں بھی ہوئی ہیں ان تمام منتشر کوششوں کو جدید تحقیق و اضافہ کے ساتھ یکجا کردیا جائے۔ چنانچہ مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب کے زیر نگرانی بیس جلدوں پر قرآن کریم کی ایسی تفسیر کا منصوبہ بنایا گیا جو اس ضرورت کی تکمیل اور بہت ساری کتابوں کے مطالعہ سے بے نیاز کردے گی۔ اس کی ابتدا رمضان ۱۴۴۲ھ سے ہوگئی ہے۔ادارہ کا دوسرا اہم علمی منصوبہ ''فتاویٰ علماء ہند'' کی تکمیل وتدوین کا ہے۔ان کے مطابق ہندوستانی علماومفتیان نے فقہ وفتاویٰ کی جو خدمات انجام دی ہیں ان کا سلسلہ تاریخی طور پر ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے مگر گذشتہ دو صدیوں میں قدیم وجدید مسائل پر جو فتاویٰ علما نے دیے ہیں وہ انتہائی اہم ہیں۔ بالخصوص دارالافتا سے لاکھوں

فتاویٰ صادر ہوئے ہیں اور بعض فتاوی مرتب کر کے دارالافتا نے کتابی شکل میں شائع بھی کیے ہیں۔ ضرورت تھی کہ ان تمام کو یکجا کر دیا جائے۔ الحمدللہ ادارہ میں اس منصوبہ کے تحت ان فتاوی کی ترتیب، آیات واحادیث اور فقہی عبارتوں کی تخریج کا کام بھی گزشتہ چند سالوں سے ہو رہا ہے اور اب تک اس کی تیس جلدیں مکمل ہوگئی ہیں، باقی تیس جلدوں پر بھی کام جاری ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ ان فتاویٰ کے عربی اور انگریزی ترجمے بھی کرائے جارہے ہیں۔ اردو فتاویٰ کی آٹھ جلدیں اور ایک ایک جلد عربی اور انگریزی کی زیور طبع سے آراستہ بھی ہو چکی ہیں۔ توقع ہے کہ آئندہ تین برسوں میں ''فتاوی علماء ہند'' کی ساٹھ جلدیں مکمل ہو جائیں گی۔ (پندار، پٹنہ، ص ۷، ۲۱/۶/۹ء)

دیوار گریہ کے متعلق جامعہ ازہر کا بیان

جامعہ ازہر کی جانب سے ''القدس۔عرب حقوق اور صہیونی دعووں کے درمیان'' کے عنوان سے ایک مہم شروع کی گئی ہے۔ اس کے ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ دیوار براق مسجد اقصیٰ کی جنوبی دیوار اور حرم قدس کی مغربی دیوار کا ایک حصہ ہے۔ یہ مقام مراقشی اسلامی کالونی کے سامنے ہے جسے صہیونی ریاست نے جبراً مسمار کر کے وہاں سے آباد فلسطینیوں کو نکال دیا تھا۔ دیوار براق مسجد اقصیٰ کا اٹوٹ حصہ ہے اور اس پر مسلمانوں کے علاوہ کسی کا کوئی حق نہیں۔ ''دیوار براق'' کو ''دیوار گریہ'' کا نام دینا یہودیوں کا غلط اور بے بنیاد دعویٰ ہے۔ اس جگہ کا اصل نام ''البراق'' ہی ہے۔ اسی دیوار سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر معراج کی ابتدا کی تھی اسی لیے اس کو ''براق'' کا نام دیا جاتا ہے۔ یہودیوں نے حقائق کو مسخ کرنے کے لیے اس کا جعلی اور من گھڑت نام ''دیوار گریہ'' دے دیا اور ۱۹۱۷ء کے اعلان بالفور کے بعد اس نام کی ترویج کی گئی تا کہ خاص عربوں کی سرزمین فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن کی داغ بیل ڈال کر اس پر مالکانہ حق کی دعوے داری پیش کی جاسکے۔ چونکہ یہودی مقام براق میں جمع ہو کر روتے اور مزعومہ ہیکل سلیمانی کی تباہی پر گریہ وزاری کرتے ہیں اس لیے اس کو دیوار گریہ کا نام دیا گیا ہے۔ قدیم تاریخ، جغرافیہ، قوانین اور بین الاقوامی اصول اور عرب روایات میں کہیں بھی دیوار براق کو ''دیوار گریہ'' قرار نہیں دیا گیا ہے۔ (اعتماد، حیدرآباد، یکم جون ۲۱ء، ص ۴)

ایوارڈ برائے ترجمہ اور بین الاقوامی مفاہمت کا اعلان

حکومت قطر نے ''شیخ حمد ایوارڈ برائے ترجمہ اور بین الاقوامی مفاہمت'' نے نام سے ایک ایوارڈ کمیٹی بنائی ہے۔ جو گذشتہ ۶ برسوں سے دنیا کے نمایاں اور لایق و فایق مترجمین کو ایوارڈ تفویض کررہی ہے۔ اس کا مقصد دنیا کی مختلف اقوام و ملل کے درمیان باہمی روابط کو فروغ دینا، دوسری زبانوں سے عربی میں یا عربی سے دوسری زبانوں میں تراجم کے لیے افراد کی اور اداروں کی حوصلہ افزائی کرنا اور عربی و عالمی سطح پر ان کے کردار کو سراہنا ہے۔ اس سے قبل ۶ سیزن کے دوران ایوارڈ کمیٹی دنیا کی ۶ زبانوں کو مرکزی اور ۲۰ زبانوں کو فروعی زمرے میں شامل کرکے ایوارڈ دے چکی ہے۔ ۲۰۲۱ء کے لیے انگریزی کے ساتھ ساتھ چینی زبان کو مرکزی اور اردو، امہری، ڈچ اور جدید یونانی زبانوں کو فروعی زبانوں میں شامل کیا گیا ہے۔ انعامات کی درجہ بندی کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ مرکزی زبانوں میں انفرادی تراجم کے لیے عربی سے انگریزی، انگریزی سے عربی اور چینی سے عربی اور عربی سے چینی میں ترجمہ کو شامل کیا گیا ہے۔ منتخب فروعی زبانوں سے مجموعی خدمات پر ایوارڈ کی درجہ بندی کے لیے عربی سے اردو، اردو سے عربی، عربی سے امہری، امہری سے عربی، عربی سے ڈچ، ڈچ سے عربی، عربی سے جدید یونانی، جدید یونانی سے عربی میں ترجمہ کو شامل کیا گیا ہے۔ ایوارڈ کی کل مجموعی رقم ۲۰ لاکھ ڈالر پر مشتمل ہے۔ مرکزی زبانوں یعنی عربی سے انگریزی اور انگریزی سے عربی اور چینی سے عربی اور عربی سے چینی میں ترجمہ پر انعام کی رقم دو لاکھ اور فروعی زبانوں اردو سے عربی، عربی سے اردو، امہری سے عربی، عربی سے امہری، ڈچ سے عربی، عربی سے ڈچ اور جدید یونانی سے عربی اور عربی سے جدید یونانی میں ترجمہ کے لیے ایک لاکھ ڈالر کی رقم مختص کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ اب تک ۲۰ زبانوں کو انعامات دیے جاچکے ہیں۔ سال رواں کی شمولیت کے ساتھ ۲۴ زبانیں ہوجائیں گی۔ سیزن ۷ یعنی ۲۰۲۱ء کے لیے معیاروں پر پورا اترنے والے افراد اور ادارے اپنے تراجم ۱۵/ اگست تک جمع کراسکتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ایوارڈ کمیٹی کی ویب سائٹ www.hta.qa پر رابطہ کرسکتے ہیں۔ ڈاک کا پتہ: جائزۃ الشیخ حمد للترجمۃ والتفاھم الدولی، ص ۱، ب ۲۲۳۱، دوحہ، قطر، فون نمبر 0097466570349 (پندار، پٹنہ، ص ۸، ۲۱/۶/۴ء)

(ک۔ص، اصلاحی)

معارف کی ڈاک

مکتوب کاندھلہ

۱۴؍جون ۲۰۲۱ء

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مئی کے آخر میں معلوم ہوا تھا کہ معارف کا تازہ شمارہ نیٹ پر آگیا ہے،کل ایک سفر کے دوران اس کی تازہ اشاعت نظر سے گذری، اگرچہ ابھی میرا شمارہ نہیں ملا،بعض اہل علم وتحریر نے بھی توجہ دلائی کہ میرے مضمون کے آخر میں حوالے نہیں ہیں، اگرچہ مضمون میں ان کے اشارے اورنمبر شمار موجود ہیں، ایسے مضامین اور میری اس تحریر کے خصوصاً ہرایک قسط کے حوالے اسی مضمون کے آخر میں بھی ہونے ضروری ہیں، ایسے سنجیدہ اور علمی مضامین کی حوالوں کے بغیر کیا افادیت اوروقعت ہے،اس لیے (جون ۲۰۲۱ء) کے شمارے میں شائع مضمون کے تمام حوالے ضرور شائع کیے جائیں۔بحمد للہ لوگ مضامین سے استفادہ کرتے ہیں اوراپنی تحریروں اور مؤلفات میں اس کے حوالے بھی دیتے ہیں،مثلاً ابھی یہ شمارہ چھپ کرنہیں آیا تھا، آن لائن ہی تھا کہ پاکستان کے بعض اصحاب نے اس کی اجازت لی کہ ہم تفسیرعزیزی کونئی کمپوزنگ سے نیٹ پر ڈال رہے ہیں اوراس تحریر کواس کے تعارف ومقدمہ کے طور پراس نسخہ میں شامل کرنا چاہتے ہیں ۔

اس لیے جون ۲۰۲۱ء کے شمارہ میں شائع قسط کے تمام حوالے اورآئندہ قسطوں کے حوالے ساتھ ہی چھپتے رہیں تاکہ استفادہ میں سہولت ہو،شمارہ میں جو اور مضامین ہیں ان کے حوالے ساتھ ہی چھپے ہیں۔

والسلام (مولانا) نورالحسن راشد کاندھلوی

مکتوب دسنہ

مکرمی مدیر صاحب! السلام علیکم

جون کے شمارہ میں ڈاکٹر شمس بدایونی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے سید صاحب کے دوخطوں پر تفصیلی گفتگو کی ہے، اس میں انہوں نے مولوی عبدالحکیم صاحب دسنوی کے نام ۱۹۱۲ء میں لکھے جانے والے مکتوب کو سید صاحب کا سب سے پہلا مکتوب قرار دیا ہے لیکن اسی معارف میں سال گذشتہ کے کسی شمارہ میں مولانا شاہ قاسم دسنوی کے نام علامہ سید سلیمان ندوی کے خطوط شائع ہوچکے ہیں جن میں ان کے نام کا ۱۹۰۴ء کا مکتوب سب سے پہلا مکتوب ہے نیز خود عبدالحکیم دسنوی کے نام سید صاحب کے ۱۹۰۴، ۱۹۰۵ اور ۱۹۰۶ء کے مکاتیب موجود ہیں لیکن چونکہ وہ اب تک شائع نہیں ہوئے اس لیے فاضل مضمون نگار سے ان کا شکوہ نہیں کیا جاسکتا۔ والسلام (جناب) رحمت عالم دسنوی

ادبیات

قطعۂ تاریخ وفات

ڈکٹر ممتاز احمد خان

بنیان گذار سازمان آموزشی ''الامین''، بنگلور

☆ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

خواندم بہ روزنامہ کہ ممتاز خان بمرد ۔۔۔ آن سرشناسِ زمرۂ دانشوران بمرد

سرسیدِ جنوب کہ در نشرِ علم و فن ۔۔۔ دادہ بہ خرج ہمت و تاب و توان، بمرد

دائر نمودہ دو صد و پنجاہ درسگاہ ۔۔۔ در شھرھای کشورِ ہندوستان بمرد

جستم چو سالِ فوتِ او، ھاتف جواب داد ۔۔۔ پنجاہ و ہفت، گفتہ، گو: ''ممتاز خان بمرد''

۵۷ ۔۔۔ ۱۳۸۵

۵۷

۱۴۴۲ھ(۲۰۲۱ء)

قطعۂ تاریخ وفات

مولانا مفتی عبدالرزاق بھوپالی

☆ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

قدوۂ راہروانِ رہِ دین و دانش ۔۔۔ زبدۂ اہل صفا مفتی عبدالرزاق

دوش ناگاہ بعمر نودو چار سنین ۔۔۔ رفت ازیں دار فنا مفتی عبدالرزاق

ساعتی رفت کہ با ''لحن'' سرو دم سالش ۔۔۔ ''راہی ملک بقا مفتی عبدالرزاق''

۸۸

۱۴۴۲ھ=۸۸+۱۳۵۴(۲۰۲۱ء)

☆نعمانی منزل، مکان نمبر ۴/۲۰۴/۷۷، جے-۲۴، نزد ابوہریرہ مسجد، ہمدرد نگر، بی-جمال پور، علی گڑھ۔

مطبوعات جدیدہ

۱۔ تحقیق عمر عائشہؓ بوقت نکاح ورخصتی: از جناب انیس احمد ۲۔ حقائق عمر عائشہؓ: از جناب انیس احمد وڈاکٹر جاوید اختر، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، صفحات بالترتیب ۹۰، ۲۱۴، قیمت بالترتیب ۱۸۰ اور ۱۲۰ روپے، پتہ: مہتاب بک ڈپو، ایک منارہ مسجد، تکیہ، اعظم گڑھ ۲۷۶۰۰۱۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی سیرت صرف مسلم خواتین ہی کے لیے نہیں پوری امت مسلمہ کے لیے ہمیشہ فخر وناز کی مثال رہی ہے، مولانا سید سلیمان ندوی کی کتاب سیرت عائشہؓ، سیرت النبیؐ کے بعد دارالمصنّفین کی سب سے مقبول کتاب ہے لیکن دوسری طرف معاندین اسلام کا ہدف طنز وتعریض بننے والی ہستی بھی یہی ہے، اعتراض والزام بھی ایسے کہ خود قرآن مجید نے ان کو بہتان عظیم سے تعبیر کیا، یہ جرم اتنا سنگین ٹھہرا کہ جن لوگوں نے بطور روایت بھی بیان کیا ان سے کہہ دیا گیا کہ جب تم نے ان الزامات کو سنا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمارے لیے ممکن ہی نہیں کہ ہم اس پر گفتگو کریں، تہمت و بہتان کی اصلیت کو کبھی نہ کبھی ظاہر ہونا ہی ہے لیکن معاندین کا خبث باطن بھی کسی نہ کسی شکل میں سامنے آتا ہی رہتا ہے، اسی ذیل میں صدیقہ بنت صدیق اکبر کے نکاح اور رخصتی کے وقت ان کی عمر کا معاملہ ہے، صحیح بخاری اور مشہور تاریخی روایتوں سے تواتر کی حد تک بیان کیا گیا کہ نکاح کے وقت چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال کی عمر تھی، بقول سید صاحب مخالفین اسلام کا اعتراض ہے کہ کمسنی کا یہ نکاح مقام منصب وشخصیت، نبوت کے منافی یا نامناسب ہے، سید صاحب اپنی رائے پر قائم رہے اور عالمانہ شان کے ساتھ اعتراضات کا جواب بھی دیا، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ مخالفین اسلام کے علاوہ بہت سے اہل اخلاص مسلمانوں کے لیے یہ روایت باعث تشویش رہی اور وقتاً فوقتاً اس کا اظہار بھی مختلف تحریروں کے ذریعہ ہوتا رہا، زیر نظر دونوں کتابیں اسی روایت کی اولاً مجمل اور بعد میں مفصل تشریح، توضیح، توجیہ یا تردید میں ہیں، نتیجہ بحث یہ ہے کہ نکاح کے وقت ام المومنین کی عمر پچیس سے چھبیس سال سے کسی طرح کم نہیں ہوسکتی، اس کے لیے سید صاحب کے علاوہ کئی دیگر سیرت نگاروں کی تردید قریب دس اشکالات کے ذریعہ کی گئی ہے، پہلے بھی اس موضوع پر بہ کثرت دلائل سے کچھ اہل قلم نے جہاں یہ نتیجہ اخذ کیا کہ عقلاً وعرفاً کسی طرح یہ نکاح ایسا نہیں ہے کہ جس پر واویلا مچایا جائے وہیں زیر نظر کتابوں کے مصنف کی طرح عباس محمود عقاد جیسے لوگوں نے پندرہ سال کی عمر بتاتے ہوئے اپنی ترجیح کی بنیاد یہ رکھی کہ یہ مستشرقین کے الزامات کی نفی کرتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کے مصنف اور سہیم مصنف نے جس طرح اپنی بات کو باوزن

اور قابل فہم اور لائق قبول بنایا ہے، اس کی محنت اور نیت دونوں دل سے داد کے لائق ہے، انیس صاحب باقی لوگوں کی طرح اہل قلم نہیں نہ مستشرقین کی طرح اہل کتاب، مگر انہوں نے ایک ہوش مند اور اس سے بڑھ کر سیرت عائشہؓ کے دردمند قاری کی ذمہ داری نبھائی ہے وہ حیرت انگیز ہے، ان کے بعض اشکالوں کے جواب روایت کی بنیاد پر ناممکن سے ہیں، ہاں کہیں کہیں لہجہ میں تیزی بلکہ تلخی ہے جس کو ایک تقریظ نگار نے جس طرح پیشہ تجارت سے وابستگی پر محمول کیا، اس کو شوخی طبیعت سمجھنا چاہیے۔

گنجینۂ معانی: از ڈاکٹر سرفراز احمد خاں، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۶۸۸، قیمت ۶۰۰ روپے، پتہ: سرفراز احمد خاں، مانو لکھنؤ کیمپس، ندوہ روڈ لکھنؤ، علی گڑھ، پٹنہ کے مشہور مکتبے۔

کتاب کے نام سے پہلے تو یہی لگا کہ غالبیات میں کوئی اور ضخیم اضافہ ہوا ہے، لیکن جب کتاب دیکھی تو غالب تو نہیں فارسی زبان کی تفہیم میں خوبصورت اضافہ کا احساس ہوا، فارسی زبان اب لاکھ زبانِ غیر ہوگئی ہو لیکن اردو کے لیے وہ ایسا جزو ترکیبی ہے جس کے بغیر اردو زبان کی تازگی، شستگی اور شگفتگی کی ساری کیفیتیں بے رنگ ہیں، اس کتاب کے تعارف میں یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ فارسی کے بغیر ہماری اپنی تہذیبی شناخت کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اسی لیے آج بھی فارسی کی اہمیت ہے اور وہ ملک کی اہم دانش گاہوں میں پڑھی پڑھائی جاتی ہے، ادبیات فارسی کا نصاب بھی ایسا ہے جس سے مختلف ادوار میں اس زبان کی پیش رفت اور خوب سے خوب تر سفر کی جھلک سامنے آجاتی ہے، یہ بات بھی بڑے نکتہ کی ہے کہ یہ نصابی ترتیب ہماری تدریسی و ادبی تاریخ کا اہم جزو ہے، اسی اہمیت کے پیش نظر زیر نظر کتاب میں فاضل مرتب نے ترتیبی خوش اسلوبی سے مضامین کا ایسا انتخاب کیا جو زبان کی رفتار اور پھر زمانہ کی نبض اور مختلف علمی، ادبی اور ادبی شاہکاروں کی تخلیق کا پتہ دیتا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ مختلف علمی، ادبی مذہبی موضوعات نثر و نظم کا ایک تسلسل بھی قائم رہتا ہے، بظاہر یہ ایک نصابی ضرورت کے تحت طلبائے فارسی کی سہولت کے لیے ہے لیکن یہ عام قارئین کے لیے بھی ایک نہایت دلکش اور مفید مجموعۂ مضامین ہے، جس میں صاحب تحریر کی نمایاں خوبیوں کا بھی ذکر ہے اور یہ سب مآخذ و مصادر کی نشاندہی کے ساتھ، اس سے لائق مرتب کی محنت، سلیقہ اور پیشکش کی خوش آہنگی صفحہ صفحہ سے ظاہر ہو کر داد طلب نظر آتی ہے، شروع میں پروفیسر آزرمی دخت صفوی، پروفیسر اخلاق احمد آہن کی تحریروں نے کتاب کے استناد کو مستحکم و مستحسن بنادیا۔ (ع۔ص)

رسید کتب موصولہ

الماس (مجموعۂ رباعیات): جناب محمد سمیع (رہبر تابانی دریابادی) بزم افقر بارہ بنکی

قیمت ۲۰۰ روپے

بصیرت افروز اور حیرت انگیز واقعات: مولانا محمد اویس قاسمی، مکتبہ نعیمیہ صدر بازار، مئو

قیمت ۶۵ روپے

پہلی جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) میں اردو زبان کا کردار: ڈاکٹر امام اعظم، بک امپوریم، اردو بازار، سبزی باغ، پٹنہ، بہار

قیمت ۳۵۰ روپے

حالات مشائخ: مولانا سردار شاہ خاں قادری وجیہی، مرتب: ڈاکٹر شعائر اللہ خاں قادری وجیہی، دانش محل، امیر الدولہ پارک، لکھنؤ

قیمت ۴۰۰ روپے

دل ہی تو ہے (شعری مجموعہ): جناب سید امتیاز احمد ماہر، بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ، بہار

قیمت ۲۰۰ روپے

دہلی سلطنت ـ سیاسی، تہذیبی اور علمی تاریخ: ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

قیمت ۱۱۰ روپے

سرزمین قدس ـ تاریخ، تعارف، تجزیہ، موجودہ صورت حال: مولانا محمد سلمان ندوی نہٹوری، مجلس تحقیقات ونشریات، ندوۃ العلما لکھنؤ

قیمت ۵۰ روپے

صبح کی بات: ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

قیمت ۱۵۰ روپے

مظہر امام (مونوگراف): ڈاکٹر امام اعظم، ساہتیہ اکادمی، رویندر بھون، فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی

قیمت ۵۰ روپے

میرے اساتذہ: مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی عمری، عمرآباد، ٹمل ناڈو

قیمت ۱۰۰ روپے

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

کتاب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-
سیرۃ النبیؐ	
(خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں)	2200/-
علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی	
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-
الفاروق	350/-
الغزالی	200/-
المامون	175/-
سیرۃ النعمان	300/-
سوانح مولانا روم	220/-
شعر العجم اول	300/-
شعر العجم دوم	150/-
شعر العجم سوم	125/-
شعر العجم چہارم	200/-
شعر العجم پنجم	150/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	350/-
(محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	
الکلام	250/-
علم الکلام	200/-

کتاب		قیمت
موازنہ انیس و دبیر		250/-
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر		100/-
سفرنامہ روم و مصر و شام		200/-
کلیات شبلی (اردو)		220/-
کلیات شبلی (فارسی)		45/-
مقالات شبلی اول (مذہبی)		170/-
مرتبہ: سید سلیمان ندوی		
مقالات شبلی دوم (ادبی)	//	70/-
مقالات شبلی سوم (تعلیمی)	//	80/-
مقالات شبلی چہارم (تنقیدی)	//	200/-
مقالات شبلی پنجم (سوانحی)	//	150/-
مقالات شبلی ششم (تاریخی)	//	90/-
مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ)	//	100/-
مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری)	//	110/-
خطبات شبلی	مرتبہ: عبدالسلام ندوی	150/-
انتخابات شبلی	مرتبہ: سید سلیمان ندوی	45/-
مکاتیب شبلی اول	//	150/-
مکاتیب شبلی دوم	//	190/-
اسلام اور مستشرقین چہارم (علامہ شبلی کے مقالات)		250/-

ISSN 0974 - 7346 Ma'arif (Urdu) -Print
JULY 2021 Vol - 208 (1)
RNI. 13667/57 **MA'ARIF** AZM/NP-43/022
Monthly Journal of
Darul Musannefin Shibli Academy
P.O.Box No: 19, Shibli Road, Azamgarh, 276001 U.P. (India)

دارالمصنّفین کی چند اہم مطبوعات

۱۔	سیر الصحابہ اول	حاجی معین الدین ندوی	300/-
۲۔	سیرت عائشہؓ	مولانا سید سلیمان ندوی	220/-
۳۔	حیات شبلی	مولانا سید سلیمان ندوی	650/-
۴۔	تذکرۃ الفقہاء اول	مولانا عمیر الصدیق ندوی	150/-
۵۔	مولانا ابوالکلام آزاد	مولانا ضیاء الدین اصلاحی	240/-
۶۔	حکیم الامت۔نقوش وتاثرات	مولانا عبدالماجد دریابادی	400/-
۷۔	علامہ شبلی کی تعزیتی تحریریں	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	180/-
۸۔	تاریخ اسلام (اول ودوم) مجلد	شاہ معین الدین احمد ندوی	370/-
۹۔	تاریخ اسلام (سوم وچہارم) مجلد	شاہ معین الدین احمد ندوی	500/-
۱۰۔	تاریخ دولت عثمانیہ اول	محمد عزیر (علیگ)	300/-
۱۱۔	تاریخ دولت عثمانیہ دوم	محمد عزیر (علیگ)	300/-
۱۲۔	تاریخ ارض القرآن (اول ودوم)	مولانا سید سلیمان ندوی	375/-
۱۳۔	تاریخ اندلس اول	سید ریاست علی ندوی	350/-
۱۴۔	تاریخ اندلس دوم	سید ریاست علی ندوی	220/-
۱۵۔	تاریخ اندلس سوم	سید ریاست علی ندوی	300/-
۱۶۔	مطالعہ مذاہب کی اسلامی روایت	محمد سعود عالم قاسمی	300/-
۱۷۔	عہد اورنگ زیب میں علما کی خدمات	ڈاکٹر علاء الدین خاں	380/-
۱۸۔	تعلیم عہد اسلامی کے ہندوستان میں	ظفر الاسلام اصلاحی	100/-
۱۹۔	آثارِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	500/-